

مکتبہ اہل سنت و جماعت، دارالافتاء، دارالحدیث، دارالعلوم، دارالکتاب، دارالمدینہ

کلمہ  
نہ

# السنة



رقع الاول ۱۳۳۰ھ، تاریخ ۲۰۰۹ء

64



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت  
رویدعات

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے  
قارئین کے سوالات



دارالمنہج، دارالتحقیق، جہلم، پاکستان



[www.AhleSunnatPk.com](http://www.AhleSunnatPk.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اہل سنت کون؟ حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابوبکر بن ابی عاصم رحمہ اللہ (۲۸۷م) فرماتے ہیں:

”مجھ سے سوال ہوا ہے کہ سنت کیا ہے؟ سنت ایک جامع نام ہے، جو بہت سے معانی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، وہ معانی جو اہل علم نے بالاتفاق سنت کے کیے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱☆ تقدیر کا اثبات ۲☆ فعل کی استطاعت فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے ۳☆ اچھی بری تقدیر پر ایمان ۴☆ ہر مطیع کی اطاعت توفیق الہی کی مرہون منت ہے اور ہر گناہ گار کی معصیت اللہ کی ناراضی کی وجہ سے ہے ۵☆ نیک بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیر الہی میں) خوش بختی مل گئی ہے اور بد بخت وہ ہے، جسے پہلے ہی (تقدیر الہی میں) بد بختی مل گئی ہے ۶☆ کائنات کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے خارج نہیں ۷☆ بندوں کے اچھے اور برے کام ان کے فعل ہیں اور خالق کائنات کی مخلوق ہیں ۸☆ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی فرمائی ہوئی کلام ہے، مخلوق نہیں، جو دلیل مل جانے کے بعد بھی اسے مخلوق سمجھے، وہ کافر ہے۔ ۹☆ ایمان (زبان کے) قول اور (دل اور اعضاء کے) عمل کا نام ہے، اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ ۱۰☆ اللہ تعالیٰ کی رویت کا اثبات کہ مؤمن آخرت میں حقیقی طور پر اسے دیکھ سکیں گے، جیسا کہ احادیث میں بیان ہے۔ ۱۱☆ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب سے افضل ہیں، خلیفہ راشد ہیں اور صحابہ کرام میں سے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، اسی طرح ان کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ہے، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، پھر اسی طرح ان کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں ۱۲☆ عذاب قبر ۱۳☆ منکر نکیر ۱۴☆ شفاعت ۱۵☆ حوض کوثر اور ۱۶☆ میزان (ان سب چیزوں کو برحق سمجھنا اور ان پر ایمان لانا)۔ ۱۷☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت، ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف اور ان کی ذات و خلافت پر طعن و تشنیع سے اجتناب۔ ۱۸☆ فوت ہونے والے موحدین کا جنازہ۔ ۱۹☆ گناہ گار موحدین کے لیے دعائے رحمت اور ان کی بخشش کی امید۔ ۲۰☆ وعید کو چھوڑ کر بندوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔

(السنة لابن ابی عاصم: ۱۰۲۷-۱۰۳۲)

☆☆.....☆☆.....☆☆

1. عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری 2
2. ردِّ بدعات غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری 8
3. اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حافظ ابوبکیٰ نور پوری 32
4. قارئین کے سوالات غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری 44

## عید میلاد کی شرعی حیثیت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

مروجہ جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن و حدیث میں کوئی اصل نہیں، اس کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں ہوئی، سب سے پہلے مصر میں نام نہاد فاطمی شیعوں نے یہ جشن منایا۔ (الخطوط للمقریزی: ۱/ ۴۹۰ وغیرہ)

نبی کے یوم ولادت کو یومِ عید قرار دینا عیسائیوں کا وطیرہ ہے، مروجہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدِ میلادِ عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بدعتِ سیئہ ہے، جبکہ کفار کی مشابہت اور ان کی رسومات پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

صحابہ کرام کے زمانہ بلکہ تینوں زمانوں میں اس کا وجود نہیں ملتا، بعد کی ایجاد ہے۔

جناب احمد یار خاں نعیمی بریلوی صاحب نقل کرتے ہیں: لم يفعله أحد من القرون الثلاثة إنما حدث بعد. میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا، بعد میں ایجاد ہوا۔ (جاء الحق: ۲۳۱/۱)

جناب غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب یوں اعترافِ حقیقت کرتے ہیں: ”سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین نے محافلِ میلاد نہیں منعقد کیں، بجا ہے۔“ (شرح صحیح مسلم: ۱۷۹/۳)

جناب عبدالسمیع رامپوری بریلوی لکھتے ہیں: ”یہ سامانِ فرحت و سرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بار ہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔“ (انوارِ ساطعہ: ۱۵۹)

اہل بدعت علی الاعلان تسلیم کر رہے ہیں کہ صحابہ و تابعین نے یہ جشن نہیں منایا، ہم بھی یہی کہتے ہیں، لہذا یہ کہنا کہ اس فعل سے منع بھی تو نہیں کیا، یہ سراسر جہالت اور سنتِ دشمنی کی دلیل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعتِ عظمیٰ ہیں، اس نعمت کی قدر آپ کی اطاعت و اتباع اور آپ کی سنتوں سے محبت میں ہے، نہ کہ دینِ حق میں بدعات و خرافات جاری کرنے میں۔

### شبہ نمبر ۱:

اہل بدعت بدعات کی آڑ میں قرآن پاک میں معنوی تحریف کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ (یونس: ۵۸)

”کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی بنا پر لوگ خوش ہو جائیں۔“  
 بدعتی ترجمہ یہ ہے: ”اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔“ حالانکہ ”فَرِحَ“ کا معنی خوش ہونا یا خوشی محسوس کرنا ہوتا ہے، نہ کہ خوشی منانا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ﴾ (التوبة: ۸۱)  
 ”(غزوہ تبوک سے) پیچھے رہ جانے والے (منافقین) خوش ہوئے۔“  
 کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے خوشی منائی تھی؟

صحیح بخاری (۱۹۱۵) میں ہے کہ جب سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۸۷) نازل ہوئی ففرحوا بہا فرحاً شدیداً ”اس پر صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔“ کیا صحابہ کرام نے خوشی منائی اور جلوس نکالا؟

## شبہ نمبر ۲:

سیدنا معاویہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ایک حلقے کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، کیسے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: جلسنا ندعو اللہ ونحمدہ علی ما ہدانا لدینہ ومن علینا بک۔ ”ہم بیٹھ کر اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس نے ہمیں جو ہدایت دی ہے اور آپ کی صورت میں ہم پر جو احسان کیا ہے، اس پر اسکی تعریف کر رہے ہیں۔“

(مسند الامام احمد: ۴/ ۹۲، سنن نسائی: ۵۴۲۸، جامع ترمذی: ۳۳۷۹، وسندہ حسن)

اہل بدعت کا اس حدیث سے مردوجہ جشن عید میلاد کے جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں، کسی ثقہ امام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت نہیں کیا، اس حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا وہ حلقہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اسکی تعریف بیان کر رہا تھا اور دعا کر رہا تھا، نہ کہ بدعتیوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو جشن منا رہا تھا، اس پر سہاگہ یہ کہ اکابر اہل بدعت کو اعتراف ہے کہ تینوں زمانوں میں میلاد کسی نے نہ منایا، بعد میں ایجاد ہوا، متعہ علماء نے اس جشن کو بدعت مذمومہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے المدخل: ۲/ ۲۳۴۰، ۲۲۹/ ۲۳۴۰، الحاوی للفتاویٰ: ۱/ ۱۹۰-۱۹۱)

## شبہ نمبر ۳:

احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

”عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی ﴿رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا﴾ (المائدہ: ۱۱۴) معلوم ہوا کہ ماندہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا۔“

(جاء الحق: ۱/ ۲۳۷)

یہ کس آیت یا حدیث کا معنی و مفہوم ہے؟ آیت کریمہ کا ترجمہ تو یہ ہے:

”اے ہمارے رب! ہم پر کھانا نازل فرما جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے باعثِ خوشی ہو جائے۔“  
مطلب یہ ہے کہ وہ کھانا ہمارے لیے خوشی کا باعث ہو، نہ کہ وہ دن جس دن کھانا اتارا جائے، لہذا نبی صاحب کا یہ کہنا ”معلوم ہوا کہ ماندہ کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا“ بے دلیل اور بے ثبوت ہے، جو کہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

## شبه نمبر ۴:

قال عروة وثوبة مولا لأبي لهب ، كان أبو لهب أعتقها فأرضعت النبی ، فلمّا مات أبو لهب أریه بعض أهله بشر حبیة ، قال له : ماذا لقیت ؟ قال أبو لهب : لم ألق بعد کم غیر آنی سقیّت فی هذه بعناتنی ثوبیة .

”عروہ بن زبیر تابعی کا بیان ہے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی، ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا، اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، جب ابولہب مرا تو اس کے بعد اہل خانہ کو برے حال میں دکھایا گیا، اس نے اس (ابولہب) سے پوچھا، تو نے کیا پایا ہے؟ ابولہب بولا کہ تمہارے بعد میں نے کوئی راحت نہیں پائی، ماسوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے اس (انگوٹھے اور اگشتِ شہادت کے درمیان گڑھے) سے پلایا جاتا ہوں۔“ (صحیح بخاری: ۷۶۴/۲، تحت حدیث: ۵۱۱، نصب الرایۃ: ۳/۱۶۷)

☆۱ یہ عروہ بن زبیر تابعی کا قول ہے، جو مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف و ناقابلِ استدلال ہے، حیرانی اس بات پر ہے کہ جو لوگ عقائد میں خیرِ واحد کو حجت نہیں مانتے، وہ تابعی کے اس ”ضعیف“ قول کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

☆۲ ایک کافر کے بعض اہل خانہ کے خواب کا کیا اعتبار؟

☆۳ یہ خواب نصِ قرآنی کے خلاف ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَتَبَّ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا کَسَبَ﴾ (الہب: ۲-۱)

”ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا، اسے اس کے مال اور اعمال نے کچھ فائدہ نہ دیا۔“

☆۴ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو اس وجہ سے آزاد کیا تھا کہ اس نے ابولہب کو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تھی، اس کے باوجود احمد یا رخاں نعیمی بریلوی صاحب یوں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں:

”بات یہ تھی کہ ابوہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا، اس کی لونڈی ثویبہ نے آکر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم، اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے۔“ (جاء الحق: ۱/ ۲۳۵)

نامعلوم بریلوی عوام اتنے بڑے بڑے جھوٹوں پر کیسے ایمان لے آتے ہیں؟

## یوم وفات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت باسعادت میں اختلاف ہے، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دس محرم کو ہوئی ہے۔“ (غنیۃ الطالبین: ۳۹۲/۲، طبع بیروت) ہمیں اس اختلاف سے کوئی سروکار نہیں، دیکھنا صرف یہ ہے کہ جو لوگ بارہ ربیع الاول کو جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مناتے ہیں، ان کے نزدیک آپ کی تاریخ وفات کونسی ہے؟

جناب احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کو ہے اور اسی میں وفات شریف ہے۔“ (ملفوظات: ۲/ ۲۲۰)

معلوم ہوا کہ بریلویت کے امام احمد رضا خاں کی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت اور وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی ہے، کچھ عرصہ پہلے یہ لوگ بارہ ربیع الاول کو ”بارہ وفات“ کہہ کر پکارتے تھے اور ختم دلواتے تھے، بڑی عجیب بات ہے کہ آج بھی لوگ اس دن کو عید میلاد النبی کا جشن مناتے ہیں، کتنا تضاد ہے ان کے آج اور کل میں؟؟

بارہ ربیع الاول کو صحابہ کرام کی غم کے مارے کیا حالت تھی، اس کا کچھ اندازہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ.

”جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں (ہجرت فرما کر) تشریف لائے تھے، اس کی ہر چیز (خوشی سے) چمک اٹھی تھی اور جس دن آپ نے وفات پائی، اس کی ہر چیز (غم سے) اندھیری ہو گئی تھی۔“



اس حدیث کو امام ترمذی، امام ابن حبان (۶۶۳۴) نے ”صحیح“ اور امام حاکم (۵۷/۳) نے امام مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری و بہادر انسان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کا سن کر شدت غم میں گھٹنوں کے بل گر گئے تھے۔ (صحیح بخاری: ۴۴۵۴)

مگر افسوس ہے ان خواہشات پرستوں اور پیٹ کے پجاریوں پر، جنہیں صحابہ کرام اور اہل بیت کی اس پریشانی کا احساس تک نہیں ہوا، اس دن کو اپنی شکم پروری کا ذریعہ بنا کر گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اچھلتے، کودتے، دھال ڈالتے، دیکیں پکاتے اور خوشیاں مناتے نظر آتے ہیں!!!

### ظُلُمَاتُ بَعْضًا فَوْقَ بَعْضٍ

اس بدعت عید میلاد کے تحت بے شمار بدعات، خرافات، ہفوات، ترہات، بیسیوں محرمات اور منکرات نے جنم لے لیا ہے، جیسا کہ روضہ رسول کی شبیہ بنانا، شرکیہ نعتیں پڑھنا، مجلس کے آخر میں قیام اس عقیدت کے تحت کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں خود حاضر ہوتے ہیں، (العیاذ باللہ)، شیرینی تقسیم کرنا، دیکیں پکانا، دروازے اور پہاڑیاں بنانا، عمارتوں پر چراغاں کرنا، جھنڈیاں لگانا، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریفیں کی تصویر بنانا، مخصوص لباس پہننا، تصویریں اتارنا، رقص و وجد کا اہتمام کرنا، شب بیداری کرنا، اجتماعی نوافل، اجتماعی روزے، اجتماعی قرآن خوانی، عورتوں مردوں کا اختلاط، نوجوان لڑکوں کا جلوس میں شرکت کرنا اور عورتوں کا ان کو دیکھنا، آتش بازی، مشعل بردار جلوس، جو کہ عیسائیوں کا وطیرہ ہے، گانے بجانے، فحاشی و عریانی، فسق و فجور، دکھاوا اور ریاکاری، من گھڑت قصے کہانیوں اور جھوٹی روایات کا بیان، انبیاء، ملائکہ، صحابہ کرام کے بارے میں شرکیہ اور کفریہ عقیدے کا اظہار، توالی، لہو و لعب، مال و دولت اور وقت کا ضیاع وغیرہ، بلکہ اب تو ان پروگراموں میں بدامنی، لڑائی جھگڑا، قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ بدعت قبیحہ، ضلالہ اور سیئہ، کم علم، جاہل اور بدعتی ملاؤں کی شکم پروری کا بہت بڑا ذریعہ ہے، جو اس بدعت کی آڑ میں اپنے مذہبی تعصب، باطل نظریات کا اظہار کرتے ہیں، تکفیر و تفسیق، فتویٰ بازی، گالی گلوچ اور بکواسات کا بازار گرم کرتے ہیں، وہ اس بدعت کو کفر اور اسلام کا معیار سمجھتے ہوئے اس پر عمل نہ کرنے والوں کو ابلیس کہتے ہیں، موحدین کی مساجد کے سامنے نعرہ بازی، شور و غل، ہنگامہ آرائی اور اپنے انتقامی جذبات کی



## حکومت اور مروجہ عید میلاد النبی

☆ ☆ ..... ☆ ☆ ..... ☆ ☆

**السنة** شمارہ نمبر ۴، صفحہ نمبر ۹ پر ”گھوڑی پر سوار تھا“ کے بجائے ”اوٹنی پر سوار تھا“ کمپوزنگ کی غلطی سے چھپ گیا ہے، قارئین تصحیح فرمائیں۔

☆ ☆ ..... ☆ ☆ ..... ☆ ☆

مصیبت زدہ یا مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے

جو کوئی مصیبت زدہ یا مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری، خواہ وہ کوئی بھی ہو، سے بچالیتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلٰى بِهٖ هٰذَا وَفَضَّلَنِي عَلَيْهِ وَعَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفَضُّلًا.

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے اس (مرض) سے عافیت بخشی، جس میں اسے مبتلا کیا، نیز مجھے اس پر اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فضیلت عنایت فرمائی۔“

(الدعاء للطبراني: ٧٩٨، حلية الأولياء لأبي نعيم: ج: ٥، ص: ١٣-١٤، وسنده حسن)

## رَدِّ بدعات

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

دین اسلام مکمل و اکمل دین ہے، اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین کا مرثدہ سنایا ہے، اس نے اپنے بندوں کی تنصیصاً و تعلیلاً احکام شرعیہ میں رہنمائی فرمادی ہے، اب دین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات و ارشادات کا نام ہے، اعمال کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط قرآن و سنت کی پیروی ہے، جیسا کہ نافع سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینک لگائی، کہا، الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔ (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو)، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، میں بھی اللہ کی تعریف کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں، لیکن (اس موقع پر) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں سکھایا، بلکہ آپ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے: الحمد للہ علی کل حال۔ ”ہر حال میں ساری کی ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔“

(سنن ترمذی: ۲۷۳۸، مسند الحارث (بغیۃ الباحث: ۸۰۷)، المستدرک للحاکم: ۴/ ۲۶۵-۲۶۶، شعب الایمان للبیہقی:

۸۸۸۴، وسندہ حسن)

امام حاکم نے اس حدیث کو ”صحیح الاسناد“ قرار دیا ہے، حافظ ذہبی نے ”صحیح“ کہا ہے، اس کے راوی الحضری من آل الجارود کو امام ابن حبان نے ”ثقة“ کہا ہے، امام حاکم نے اس کی حدیث کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے، یہ توثیق ہے، حافظ ذہبی نے ”صدوق“ کہا ہے۔ (الکاشف)

مستدرک حاکم میں الحضری بن لاحق چھپ گیا ہے، یہ وہم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت کی پیروی ضروری ہے، کئی بیشی ناجائز ہے، اس سے نیک کام بدعت بن

جاتا ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یستقیم قول الّا بعمل ، ولا یستقیم قول وعمل الّا بنیۃ ، ولا یستقیم قول وعمل ونیۃ الّا بموافقة السنۃ .

”کوئی قول عمل کے بغیر درست نہیں، کوئی قول و عمل نیت کے بغیر درست نہیں اور کوئی قول و عمل نیت سنت

کی موافقت کے بغیر درست نہیں۔“ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۳۲۷، وسندہ حسن)

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے پہلے علماء کہا کرتے تھے:

الاعتصام بالسنة نجاة. ”سنت کو مضبوطی سے پکڑنا نجات ہے۔“ (سنن الدارمی: ۹۷، وسندہ صحیح)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من رغب عن سنتی فلیس منی“. ”جس نے میری سنت سے منہ موڑا، وہ میرے طریقے پر نہیں ہے۔“ (صحیح ابن خزيمة: ۱۹۷، وسندہ صحیح)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

البدعة أحبّ الى ابليس من المعصية، المعصية يتاب منها والبدعة لا يتاب منها.

”بدعت شیطان کو اللہ کی نافرمانی سے زیادہ محبوب ہوتی ہے، گناہ سے توبہ کر لی جاتی ہے، لیکن بدعت

سے توبہ نہیں کی جاتی۔“ (مسند علی بن الجعد: ۱۸۰۹، وسندہ حسن)

☆۱ امام عینی حنفی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

وهی ما لم یکن له أصل فی الكتاب والسنة وقیل اظهار شیء لم یکن فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن الصحابة رضی اللہ عنہم.

”بدعت دین میں ہر اس نئے کام کو کہتے ہیں، جس کی اصل کتاب و سنت میں نہ ہو، ایک قول یہ بھی ہے کہ

ایسی چیز کا اظہار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ ہو۔“

(عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری: ۲۵/ ۳۷)

☆۲ محقق شاطبی نقل کرتے ہیں: طريقة فی الدین مخترعة تضاهی الشريعة یقصد

بالسلوک علیها المبالغة فی التّعبد لله سبحانه.

”بدعت دین میں اپنی طرف سے نکالے گئے ایسے طریقے کا نام ہے، جو شریعت الہی کے مشابہ ہو اور اس

سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔“ (الاعتصام: ۱/ ۳۰)

☆۳ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ان البدعة هی: الدین الذی لم یأمر الله به ورسوله، فمن دان دینا لم یأمر الله ورسوله به فهو

مبتدع بذلك، وهذا معنی قوله تعالى: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ بِهِ

الله﴾ (الشوری: ۲۱)

”بدعت وہ دین ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا، جس نے ایسا دین اختیار کیا، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا، وہ بدعتی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی معنی ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوری: ۲۱)

”کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں، جنہوں نے ان کے لیے وہ دین مقرر کیا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم

نہیں دیا؟“ (الاستقامة: ۱/ ۵)

نیز فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الْبِدْعَةَ مَا لَمْ يَشْرَعْهُ اللَّهُ مِنَ الدِّينِ فَكُلُّ مَنْ دَانَ الشَّيْءَ لَمْ يَشْرَعْهُ اللَّهُ فَذَلِكَ بَدْعَةٌ وَإِنْ كَانَ مُتَأَوَّلًا فِيهِ .

”بدعت وہ دینی طریقہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیا، سو ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہ کیا

ہو، وہ بدعت ہے، اگرچہ بدعتی اس میں تاویل ہی کرے۔“ (الاستقامة: ۱/ ۴۷)

☆ ۴ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والمراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه وأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً وإن كان بدعة لغاً .

”بدعت سے مراد وہ چیز ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل و دلیل نہ ہو، ہاں! جس کی شریعت میں اصل و

دلیل موجود ہو، شرعی بدعت نہیں، اگرچہ لغوی اعتبار سے بدعت ہو۔“ (جامع العلوم والحکم: ۱۹۳)

## بدعت کی تقسیم

ہر بدعت سیئہ ہے، کوئی بدعت حسنہ نہیں۔

## دلیل نمبر ۱ :

جس کام کی اصل کتاب و سنت اور اجماع امت میں نہ ہو، وہ بدعت ہے، بے اصل اور بے ثبوت

کام کی تقسیم سیئہ اور حسنہ کے اعتبار سے کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

## دلیل نمبر ۲ :

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ

الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ (النحل: ۱۱۶)

”کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ویدخل فی هذا کل من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعي او حلل شيئا مما حرم الله او حرم شيئا مما أباح الله بمجرد رأيه وتشهيه.

”ہر بدعتی اس حکم میں داخل ہے، جس نے بدعت جاری کی، جبکہ اس کے پاس اس بدعت پر شرعی ثبوت و دلیل نہیں ہے، یا جس نے محض اپنی رائے اور نفسانی خواہش سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۷۷۹)

جب ہر بدعتی بدعت جاری کر کے اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، تو ثابت ہوا کہ ہر بدعت حقیقت میں اللہ پر جھوٹ ہے، تو اس کی تقسیم کا کیا معنی؟

### دلیل نمبر ۳ :

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۸۰)

”انہوں نے کہا کہ ہمیں معدودے چند دن آگ جلائے گی، کہہ دیں کہ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے، پھر تو وہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا، یا تم بغیر علم کے اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی احکام و مسائل میں بغیر دلیل کے بات کرنا اللہ پر بہتان و افترا ہے، بدعتی بغیر دلیل شرعی کے دین میں بدعت جاری کرتا ہے، تو ہر بدعت اللہ پر جھوٹ ہے، بدعتی اللہ پر بہتان اور افترا باندھتا ہے لہذا بدعت کی تقسیم صحیح نہیں۔

### دلیل نمبر ۴ :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ (النساء: ۱۷)

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو، اور اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔“

اس آیت کریمہ میں ”غلو فی الدین“ سے منع کیا گیا ہے، بدعتی اللہ کے دین پر راضی نہیں ہوتا، اس میں نئی چیزیں داخل کر کے اضافہ کرتا ہے، ہر بدعت کا منشاء دین میں غلو کرنا ہے، لہذا اس کی تقسیم کیونکر صحیح ہوگی؟

## دلیل نمبر ۵ :

ہر بدعت مذمومہ اور سیئہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 وشرّ الأمور محدثاتها وکلّ بدعة ضلالة۔ ”اور برے ترین اعمال بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۴۳/ ۸۶۷)

## دلیل نمبر ۶ :

نیز فرمایا: من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فہو ردّ۔  
 ”جو شخص ہمارے دین میں ایسا کام جاری کرے، جس کی اصل اس (کتاب وسنت واجماع) میں نہ ہو، وہ باطل ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷/ ۱۷۸)  
 جو عمل کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت نہ ہو، وہ بدعت ہے اور باطل ہے۔ باطل کو سیئہ اور حسنہ میں تقسیم کرنا اہل ایمان اور اہل عقل کا وطیرہ نہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انّ المحافظة علی عموم قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ((کلّ بدعة ضلالة)) متعین ، وانّہ یجب العمل بعمومه ، وانّ من أخذ یصنّف البدع الی حسن وقبیح ، ویجعل ذلک ذریعة الی أن لا یحتجّ بالبدعة علی النہی فقد أخطأ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی فرمان کل بدعة ضلالة کی پابندی ضروری ہے اور اس کے عموم پر عمل کرنا واجب ہے، جس نے بدعات کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کیا اور اس تقسیم کو اس بات کی طرف ذریعہ بنایا کہ اس کی بدعت پر نہی کو دلیل نہ بنایا جائے، وہ خطا کا رہے۔“ (مجموع الفتاویٰ: ۱۰/ ۳۷۰-۳۷۱)

## دلیل نمبر ۷ :

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کلّ بدعة ضلالة ، وان راھا الناس حسنة .  
 ”ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اسے بدعت حسنہ سمجھتے پھریں۔“

(السنة لمحمد بن نصر المروزي: ص ۲۴، سندہ صحیح)

جلیل القدر صحابی ہر بدعت کو گمراہی قرار دے رہے ہیں اور صاف بتا رہے ہیں کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں، اس کے باوجود مصر ہیں کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔

## دلیل نمبر ۸ :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”وَأَيُّ الْبِدْعَةِ فِي دِينِ اللَّهِ“. ”اللہ کے دین میں بدعات جاری کرنے سے بچیں۔“ (البدع والنہی عنہا للمحمد بن وضاح القرطبي: ۷۵، سندہ صحیح)

جلیل القدر صحابی مطلق طور پر بدعات سے منع کر رہے ہیں، لہذا ہر بدعت ممنوع ہے۔

## دلیل نمبر ۹ :

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات اپنے خطبہ میں فرماتے تھے: ”وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا“. ”(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور بدترین اعمال بدعات ہیں۔“ (البدع والنہی عنہا: ۶۱، سندہ صحیح)

جب ہر بدعت گمراہی ہے، گمراہی کو حسنہ کہنے کا کیا مطلب؟

## دلیل نمبر ۱۰ :

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”فَيَاكُمْ وَمَا ابْتَدَعَ، فَإِنَّ مَا ابْتَدَعَ ضَلَالَةٌ“. ”بدعتوں سے بچو، کیونکہ بدعت گمراہی ہے۔“ (سنن ابی داؤد: ۴۶۱۱، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۱/ ۲۳۳، المستدرک للحاکم: ۴۰۲۷/۳، ۴۶۶/، سندہ صحیح)

امام حاکم نے اس قول کو امام مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

صحابی رسول ہر بدعت کو ضلالت قرار دے رہے ہیں، لہذا کوئی بدعت حسن اور خوبی والی نہیں ہوتی

## دلیل نمبر ۱۱ :

محقق شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”اجماع السلف الصالح من الصحابة والتابعين من يليهم على ذمها كذا ذلك، وتقبيحها والهروب عنها وعن اتسم بشيء منها، ولم يقع في ذلك منهم توقف ولا مشيئة فهو بحسب الاستقراء اجماع ثابت تدل على أن كل بدعة ليست بحق، بل هي من الباطل.“ ”سلف صالحین صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کا بدعت اور بدعت کی مذمت، قباحت، اس سے بچاؤ پر اجماع ہے، ان سے اس بارے میں کوئی توقف یا استثناء واقع نہیں ہوئی، ہماری تحقیق



کے مطابق اس بات پر اجماع ثابت ہے کہ ہر بدعت ناکح ہے، بلکہ باطل ہے۔“ (الاعتصام: ۱/ ۱۴۷)  
ناحق اور باطل چیز کی تقسیم سیئہ اور حسنہ کے لحاظ سے صحیح نہیں۔

## دلیل نمبر ۱۲ :

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحديد: ۲۷)

” (عیسائیوں نے دین میں) رہبانیت (فقیری کی) بدعت نکالی، ہم نے ان پر یہ بدعت فرض نہیں کی (یعنی انہوں نے یہ بدعت اپنی طرف سے نکالی ان کی غرض اس بدعت نکالنے سے) مگر اللہ کی رضا مندی تھی، پھر اس (بدعت) کی رعایت بھی نہ کی۔“

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین میں جو کام بے اصل ہو، وہ بدعت ہے، عیسائیوں نے جب دین میں رہبانیت (دنیا سے کنارہ کشی) کی بدعت جاری کی، پھر خود ہی اس کو پامال کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل قبیح پر مذمت کی، ثابت ہوا کہ دین میں بدعت مذموم چیز ہے، مذموم چیز کو سیئہ اور حسنہ میں تقسیم کرنا صحیح نہیں۔

عبدالرحمن بن عمر رستہ کہتے ہیں، امام عبدالرحمن بن مہدی کے ہاں اہل بدعت اور ان کی عبادت میں کوشش کا ذکر ہوا تو فرمایا: لا یقبل اللہ الا ما کان علی الامر والسنة، ثم قرأ: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ...﴾ (الحديد: ۲۷) فلم یقبل ذلك منهم ووبخهم عليه، ثم قال: الزم الطريق والسنة. ”اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرے گا، جو توحید و سنت کے مطابق ہوگا، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ﴾ (الحديد: ۲۷) ”اور انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی، جو کہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔۔۔۔۔“ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے یکام قبول نہیں کیا، بلکہ اس پر ان کو ڈانٹا ہے، پھر فرمایا، تو توحید و سنت کو لازم پکڑ۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۸/۸، وسندہ حسن)

## لغوی بدعت مذموم نہیں

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وليس له أصل في الشرع ويسمى في عرف الشرع بدعة وما كان له أصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة، فالبدعة في عرف الشرع مذمومة بخلاف اللغة. ”جسکی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو، شرعی طور پر اسے بدعت کہتے ہیں، اور جسکی شریعت میں اصل ودلیل

ہو، وہ بدعت نہیں، لہذا شریعت میں جسے بدعت کہا جاتا ہے، وہ مذموم ہے اور لغوی معنی کے اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں۔“ (فتح الباری: ۱۳/ ۲۵۳)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں: ((کَلَّ بدعة ضلالة)) من جوامع الكلم، لا یخرج عنه شیء وهو أصل عظیم من أصول الدِّین .... کَلَّ من أحدث شیئاً ونسبه الى الدِّین ولم یکن له أصل من الدِّین یرجع الیه فهو ضلالة والدِّین بریء منه وسواء فی ذلک مسائل الاعتقادات أو الأعمال أو الأقوال الظَّاهرة و الباطنة وأما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فأنما ذلک فی البدع اللغویة لا الشرعیة .

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ہر بدعت گمراہی ہے، جامع کلمات میں سے ہے اور دین کی ایک بڑی اصل ہے، جس نے کوئی بھی چیز ایجاد کر کے دین کی طرف منسوب کی، حالانکہ اس کی دین میں کوئی اصل نہ تھی، تو وہ گمراہی ہے اور دین اس سے بری ہے، خواہ وہ اعتقادات ہوں یا ظاہری و باطنی اقوال و اعمال، سلف صالحین نے جو بعض بدعات کو اچھا قرار دیا ہے، وہ لغوی بدعات کی بابت ہے، شرعی بدعات کے بارے میں نہیں۔“ (جامع العلوم والحکم: ۱۹۳)

ہر بدعت خواہ عقیدے سے متعلق ہو یا اعمال سے، مذمومہ ہے، لہذا بدعتی کا یہ کہنا کہ: ”ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔“ (جاء الحق: ۲۰۵) مردود و باطل ہے، کیونکہ جن نصوص میں بدعات کی مذمت وارد ہوئی ہے، وہ عام ہیں، ان میں تخصیص اور تقسیم ثابت نہیں۔

بدعتی دلائل سے تہی دست ہوتے ہیں، بدعات کے ثبوت پر بدعت کی تقسیم کا کمزور سہارا لیتے ہیں، جب ہر بدعت بے اصل، گمراہی و ضلالت، غلو فی الدِّین اور اللہ پر جھوٹ ہے، تو اس کی تقسیم چہ معنی دارد؟ کیا کوئی گمراہی بھی حسنہ ہوتی ہے؟

## بدعت کی تقسیم پر اہل بدعت کے دلائل

### دلیل نمبر ۱:

بدعت کی تقسیم پر بدعتیوں کی سب سے بڑی دلیل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے: نعم البدعة هذه.

”(ہمارے دور میں) یہ نیا کام اچھا ہے۔“ (صحیح بخاری: ۲۰۱۰)

بدعت کی تقسیم پر یہ دلیل تاریک بکوت سے بھی کمزور ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز تراویح

کی جماعت کرائی، پھر خدشہ کے پیش نظر ترک کر دی، جب سیدنا عمرؓ نے اپنے دور میں نماز تراویح کی جماعت کو دیکھا، تو فرمایا، یہ نیا کام اچھا ہے، چونکہ اسکی اصل عہد نبوی میں موجود تھی، عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اس کو زندہ کیا گیا ہے، تو آپ نے اسے تحسین کی نظر سے دیکھا، اتنی سی بات مبتدعین کو سمجھ نہ آئی اور بدعت کی تقسیم کی آڑ میں رافضیوں کے ہم نوابن گئے ہیں۔

## دلیل نمبر ۲:

احمد یار خاں نعمی لکھتے ہیں:

”بخاری (۲۹۸۶) میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ کیف تفعلون شیئاً لم یصنعه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال ہو خیر آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں، جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے، حضرت زید بن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے، آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بدعت تو ہے، مگر حسنہ ہے، یعنی اچھی ہے، جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے۔“ (جاء الحق: ۱: ۲۳۷)

نعمی صاحب نے حدیث کے ترجمے میں خیانت کر کے خود ساختہ مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے، اس حدیث میں بدعت کے حسنہ اور سیدہ ہونے کے الفاظ تو کجا، اشارہ بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جمع قرآن تو خلفائے راشدین کی سنت ہے، بدعت ہے ہی نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين .

”تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔“

(سنن ابی داؤد: ۴۶۰۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۶، وقال: حسن صحیح، مسند الامام احمد: ۴، ۱۲۷-۱۲۸، وسندہ صحیح)

پھر قرآن کو جمع کرنا اس لیے بھی بدعت نہیں ہے کہ اس کی اصل عہد نبوی میں موجود تھی اور اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہے، جو کہ زبردست شرعی دلیل ہے۔

## دلیل نمبر ۳:

ابو مالک سعد بن طارق بن اشیم کہتے ہیں، میں نے اپنے باپ سے کہا، اے اباجان! یقیناً آپ نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہے، نیز علی رضی اللہ عنہ کو تقریباً پانچ سالوں سے کوفے میں دیکھا، کیا وہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ فرمایا:

ای بنی محدث . ”اے بیٹا! یہ بدعت ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۱، سنن ترمذی: ۴۰۲-۴۰۳، وقال:

حسن صحیح، سنن نسائی: ۱۰۸۱، مسند الامام احمد: ۳/ ۴۷۲، وسندہ صحیح)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اور دوام و تسلسل کے ساتھ نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا بدعت ہے، البتہ سماوی وارضی آفت و پریشانی پر نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ دیکھیں صحیح بخاری (۱۰۰۲)، صحیح مسلم (۶۷۷)، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نمازِ فجر میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۵۰، وسندہ صحیح)، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما (شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۵۱، وسندہ صحیح) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۵۲، وسندہ صحیح) سے قنوت پڑھنا ثابت ہے۔

## دلیل نمبر ۴:

جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سنّ فی الاسلام سنّة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل أجر من عمل بها ولا ينقص من أجورهم شيء ومن سنّ فی الاسلام سنّة سيئة فعمل بها بعده كتب عليه مثل وزر من عمل بها ولا ينقص من أوزارهم شيء .

”جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لیے بھی کرنے والوں کے اجر میں کچھ دبیہا جی جائے گا، ان کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس پر بھی عمل کرنے والوں کے گناہوں کی طرح گناہ لکھا جائے گا، ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔“ (صحیح مسلم: ۳۴۷۲، ح: ۱۰۱۷)

اس حدیث کو بنیاد بنا کر بدعت کی تقسیم کرنا صحیح نہیں، کیونکہ حدیث کا سبب و رواد اس کی نفی کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، جو ادنیٰ کپڑوں میں ملبوس تھے، آپ نے ان کی بد حالی اور ان کی ضرورت کو دیکھ کر لوگوں کو صدقہ کرنے پر ابھارا، لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ کے چہرے پر کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لے کر آیا، پھر دوسرا آیا، اس طرح

لانے والوں کا تانتا بندھ گیا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔۔۔۔۔

اس حدیث سے بدعتیوں نے بدعات کا جو چور دروازہ کھولنا چاہا، وہ نہ کھل سکا، کیونکہ صدقہ کرنا قرآن و حدیث میں مشروع اور جائز ہے، جس سے لوگ پیچھے تھے، جب ایک صحابی نے صدقہ کرنے میں پہل کی تو وہ دوسروں کے لیے اس کا رخیہ میں بہترین نمونہ بنے، ان کے اس اقدام سے دیگر صحابہ میں رغبت بڑھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی، معلوم ہوا کہ سنتِ حسنہ سے یہاں مراد شرعی احکام و مسائل ہیں، ایسا شرعی حکم جس سے لوگ ناواقف ہیں یا وہ متروک ہو گیا ہے، اس کو جاری کرنا قابلِ تحسین ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

”من دعا الی ہدی کان لہ من الأجر مثل أجر من تبعہ ، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً ، ومن دعا الی ضلالة کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ ، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً .“  
”جو ہدایت کی طرف دعوت دے، اس کے لیے اس کی پیروی کرنے والوں کے اجر و ثواب کی مانند اجر و ثواب ہوگا، ان کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی اور جو گمراہی کی طرف دعوت دے، اس کے لیے اس کی پیروی میں گناہ کرنے والوں کے گناہوں کی مانند گناہ ہوگا، ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔“

(صحیح مسلم: ۳۴۷/۲، ح: ۱۰۱۷)

یہاں ہدایت سے مراد وہ کارِ خیر ہے، جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، کیونکہ قرآن و حدیث میں ہدایت سے مراد قرآن و سنت لیا گیا ہے۔

## دلیل نمبر ۵:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

”ما رأى المسلمون حسناً فهو عند الله حسن وما رآه المسلمون سيئاً فهو عند الله سيئ ...“  
”جسے مسلمان اچھا خیال کریں، وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے مسلمان برا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ

کے ہاں بھی برا ہے۔۔۔“ (المستدرک للحاکم: ۷۸/۳، ح: ۴۴۶۵، وسندہ حسن وصححه الحاکم ووافقه الذہبی)

یہاں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مراد مسلمانوں کا اجماع ہے، بدعتی اپنی کثرت پر پھولے نہیں سماتے، جھٹ بدعت جاری کر کے اپنے آپ کو اس قول کا مصداق سمجھتے ہیں، جبکہ ہر بدعت ضلالت اور قرآن و حدیث و

اجماع کے خلاف ہوتی ہے، کسی بدعت پر کوئی اجماع نہیں۔

## دلیل نمبر ۶:

احمد یار خاں نعیمی بریلوی لکھتے ہیں:

”جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں، وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں، یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے، ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے، یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔“ (جاء الحق: ۱/ ۲۲۹)

دین میں ہر نیا کام بدعت ہے، جن دلائل میں بدعت کی مذمت وارد ہوئی ہے، وہ عام ہیں، لہذا ہر بدعت ممنوع اور حرام ہے، جہاں تک اس قاعدہ کلیہ کا تعلق ہے تو یہ کھانے پینے کی اشیاء کی حلت و حرمت کے متعلق ہے نہ کہ شرعی احکام و اعمال کے۔

## اصلی بدعتی

ثابت ہوا کہ بدعت بے اصل ہوتی ہے، شریعت کی نظر میں دینی امور میں ہر بدعت مذموم ہے، لغوی اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں، اس حقیقت سے بوکھلا کر مشہور بدعتی احمد یار خاں نعیمی بریلوی ساری دنیا کے سامنے برملا اعلان کرتے ہیں:

”شریعت و طریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں، ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں، جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے، اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچ کر وہ اپنی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں، تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟“

(جاء الحق: ۱/ ۲۲۲)

کلمہ اور ایمان اصل ہیں، جن کے کلمہ اور ایمان میں بدعات داخل ہیں، وہ اصلی بدعتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و عمل دونوں میں بدعت سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

اہل بدعت کی بے اصولی اور مغالطہ

احمد یار خاں نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: ”آج کل دنیا میں وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا، اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانگہ، گھوڑا گاڑی۔ پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے، اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ بولو دیو بندی وہابی بغیر بدعت حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!“ (جاء الحق: ۲۱۱)

جو چیزیں مبادی سے تعلق رکھتی ہوں، مقاصد (اعتقادات و عبادات) میں داخل نہ ہوں، ان کے متعلق شرعی ممانعت وارد نہ ہو تو کسی مصلحت کے لئے مقرر کرنا جائز ہے مثلاً سنہ ہجری کا مقرر کرنا، مسجد میں سپیکر لگوانا، تبلیغ دین کے لئے دینی محافل و مجالس کا انعقاد کرنا اور کتابوں کی اشاعت کرنا وغیرہ، اہل بدعت ان امور کے جائز ہونے سے ہر قسم کے نئے کاموں کا نالنا جائز سمجھتے ہیں، یہ ان کی سراسر جہالت اور علم سے بے خبری ہے۔ دوسرا مغالطہ نعیمی بریلوی صاحب نے حدیث: ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منہ فهو ردّ“ کے معنی میں دیا ہے، ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو کہ دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے ”ما“ کے معنی عقیدے اس لئے کئے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے، اعمال فروع ہیں۔“ (جاء الحق: ۲۰۴-۲۰۵)

یہ محض سینہ زوری اور حدیث کی معنوی تحریف ہے، کیونکہ علمائے حق کی تصریحات اس کے خلاف ہیں، حدیث کے معنی میں عقیدے کی قید اور دین کی خلاف ورزی تحکم محض ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے، خواہ وہ عقیدے میں جاری کی گئی ہو یا اعمال میں، دیکھیں کہ بدعتی مرجئی صاحب دین میں کیسی واہی تباہی مچا رہے ہیں، مسلمانوں کے دین و اعمال میں بدعات داخل کرنے کی ناپاک جسارت کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان کے نزدیک دین و اعمال اور بدعات میں کوئی فرق نہیں، چونکہ ان کو اعتراف ہے کہ ہمارا مذہب بدعت ہے، ہمارے کلمہ و ایمان میں بدعات داخل ہیں، اس لئے بڑی ڈھٹائی سے اعمال میں بدعات کا دروازہ کھول رہے ہیں، اعمال کو دین و ایمان میں داخل نہ کرنا نیز ان کو فروع قرار دینا بذات خود ارجائی بدعت ہے، ایک ادنی مسلمان یہ بات سمجھتا ہے کہ اعمال دین میں داخل ہیں، یہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اتفاقی و اجماعی مسئلہ ہے، جیسا کہ حافظ بغوی لکھتے ہیں:

اتَّفقت الصَّحابة و التَّابعون فمن بعدهم من علماء السَّنة على أَنَّ الأعمال من الإيمان ،



وقالوا: اِنَّ الْاِيْمَانَ قَوْلٌ وَعَمَلٌ وَعَقِيْدَةٌ .

”صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد والے علماء اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے کا نام ہے۔“ (شرح السنّة للبخاری: ۱/۳۸)

جس عقیدہ پر مسلمان یک زبان ہوں، اس کے خلاف بات کرنا ایک بدعتی کا ہی شیوہ ہو سکتا ہے۔ احمد یار نعیمی بریلوی صاحب کی زبانی بھی یہ حقیقت سن لیں: ”بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں، بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔“ (جاء الحق: ۲۰۴)

باقی رہا اہل بدعت کا یہ کہنا کہ وہ بدعت دین کے خلاف ہو، یہ بات مردود ہے، کیونکہ بدعت بے اصل ہوتی ہے، شریعت نے بدعت سے منع کیا ہے، بدعتی ممانعت کے باوجود اسے جاری کر کے خود بخود کتاب و سنت اور اجماع کا مخالف بن جاتا ہے، ثابت ہوا کہ ہر دینی بدعت دین کے مخالف ہوتی ہے۔

### اہل بدعت کی جہالت اور دھوکہ دہی

اہل بدعت کے امام احمد یار خاں نعیمی صاحب لکھتے ہیں: ”دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے۔ احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ . (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ”ہر نیا کام بدعت ہے۔“

اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں لگائی۔“ (جاء الحق: ۲۱۲)

بدعتی صاحب تو جہان سدھار گئے ہیں، ہم ان کے حواریوں سے پوچھیں گے کہ وہ ”احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین“ کہاں ہیں؟ اگر پیش نہ کر سکے تو۔۔۔۔۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أحدث في ديننا ما ليس منه فهو ردّ .

”جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے، جو اس میں موجود نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

(جزء من حديث لوين : .....، وسندّه صحيح ، شرح السنّة للبخاری: ۱۰۳، وسندّه حسن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

واياكم ومحدثات الأمور ، فانّ كلّ محدثة بدعة وكلّ بدعة ضلالة .

”تم (دین میں) نئے کام نکالنے سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

(سنن أبی داود: ۴۶۰۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۶، سنن ابن ماجہ: ۴۴، مسند الامام أحمد: ۴، ۱۲۷-۱۲۸، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن صحیح“ اور امام ابن حبان (۵) اور امام حاکم (۹۵/۱) نے ”صحیح“ کہا ہے، حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ دین میں بدعات داخل کرنا ناجائز اور ممنوع امر ہے اور ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے، کیا کوئی صاحب عقل دنیاوی نئے کام کو ضلالت و گمراہی کہہ سکتا ہے؟ بدعت اور بدعتی کی مذمت آئی ہے اور بدعت کے مرتکب کو شدید وعید سنائی گئی ہے، اس مذمت اور شدید وعید کا تعلق اس بدعتی کے بارے میں ہے، جو دین میں بدعات داخل کرتا ہے یا دنیاوی نئے کام جاری کرتا ہے۔ اہل عقل کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے، جاہلوں اور بدعتیوں کے لئے دلائل کے انبار بھی ناکافی ہیں۔

فقہ الامت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سيلي أمور کم بعدی رجال یفتنون من السنّة و یعملون بالبدعة (وفی رواية: ویحدثون بدعة) ویؤخرون الصّلاة عن مواقيتها، قلت: یا رسول اللّٰه! ان ادر کتھم کیف أفعّل؟ قال: تسألنی یا ابن امّ عبد کیف تفعل؟ لا طاعة لمن عصی اللّٰه.

”عنقریب میرے بعد تمہارے معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں گے، جو سنت کو مٹائیں گے، بدعتیں جاری کر کے ان پر عمل کریں گے، نمازوں کو ان کے اوقات سے لیٹ کریں گے، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا، اے ام عبد کے بیٹے! تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا کرے، جو اللہ کا نافرمان ہے، اس کی کوئی اطاعت نہیں۔“

(سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۵، مسند الامام أحمد: ۱، ۳۹۹، وسندہ حسن، عبداللہ بن عثمان بن خثیم حسن الحديث، قال الحافظ

ابن حجر: وثقہ الجمهور (موافقة الخبر الخبر: ۲۷۶) )

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدعت کی مذمت فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ بدعتی سنتوں کے دشمن اور بدعات کے شیدائی ہوتے ہیں، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ بدعت معصیت ہے اور بدعتی اللہ کا نافرمان ہوتا ہے، لہذا عام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کی اسلام دشمنی سے ہوشیار باش رہیں، ان کے جبوں اور قبہ نما دستاروں سے متاثر ہو کر متاع ایمان گنوا کر معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں، معلوم ہوا کہ ہر دینی بدعت، خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو یا عمل سے، وہ مذموم ہے، ہر لغوی بدعت مذموم نہیں، لہذا اہل بدعت کا یہ کہنا کہ بدعت

میں ”دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف ہے“ باطل ہے۔

سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں: ما من عام ألا والناس يُحيون فيه بدعةً ويُميتون فيه سنةً حتى تُحيى البدعة وتموت السنة .

”ہر سال بدعتی لوگ کوئی نہ کوئی بدعت جاری کر دیتے ہیں اور کوئی نہ کوئی سنت مٹا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہو جائیں گی۔“

(البدع والنہی عنها: ۹۹، وسندہ حسن، نعم بن حماد صدوق حسن الحديث وثقة الجمهور، ومهدى بن حرب، وثقة ابن حبان ووثقة ابن خزيمة بتصحيح حديثه، وهو حسن الحديث)

ابن عباس رضی اللہ عنہ صاف فرما رہے ہیں کہ بدعات سنتوں کے مردہ ہو جانے کی موجب ہیں، یقیناً یہاں دینی و شرعی بدعت مراد ہے نہ کہ دنیاوی اور لغوی۔

حسان بن عطیہ التابعی کہتے ہیں: ما ابتدع قوم بدعةً في دينهم إلا نزع الله من سنتهم مثلها، ثم لا يعيدها اليهم الى يوم القيامة.

”جو لوگ اپنے دین میں جتنی بھی بدعات جاری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اتنی ہی سنتیں ان سے چھین لیتا ہے، پھر تاقیامت ان لوگوں کو (ان سنتوں پر عمل کی توفیق) نہیں لوٹاتا۔“

(سنن دارمی: ۹۹، حلیۃ الاولیاء: ۶/۷۳، المعرفة و التاريخ: ۳/۳۸۶، سندہ صحیح)

ایک ثقہ امام دینی بدعت کی قید لگا کر اس کے نقصانات سے امت کو آگاہ کر رہے ہیں۔

قال الامام الدارمی: أخبرنا الحكم بن المبارك، أنبانا عمرو بن يحيى، قال: سمعت أبا يحدث عن أبيه، قال: كنّا نجلس على باب عبد الله بن مسعود رضى الله عنه قبل صلاة الغداة، فاذا خرج، مشينا معه الى المسجد، فجاءنا أبو موسى الأشعري رضى الله عنه، فقال: أخرج اليكم أبو عبد الرحمن؟ قلنا: لا، بعد. فجلس معنا حتى خرج، فلما خرج، قمنا اليه جميعاً، فقال له أبو موسى: يا أبا عبد الرحمن! أتى رأيت في المسجد أنفاً أمراً أنكرته ولم أر والحمد لله إلا خيراً، قال: فما هو؟ فقال: ان عشت فستراه. قال: رأيت في المسجد قوماً حلقاً جلوساً ينتظرون الصلاة، في كل حلقة رجل، وفي أيديهم حصاً، فيقول: كبروا مئة، فيكبرون مئة، فيقول: هللوا مئة، فيهللون مئة، ويقول: سبّحوا مئة، فيسبحون مئة. قال: فماذا قلت لهم؟ قال: ما قلت لهم انتظار رأيك أو انتظار أمرك. قال: أفلا أمرتهم أن يعدّوا سيئاتهم، وضمنت لهم أن لا يضيع من حسناتهم، ثم مضى ومضينا معه حتى أتى حلقة من تلك الحلقة،

فوقف علیہم ، فقال ؛ ما هذا الذى أراكم تصنعون ؟ قالوا : يا أبا عبد الرحمن حصا نعدّ به التكبير والتّهليل والتّسبيح . قال ؛ فعدّوا سيّئاتكم ، فأما ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شيء ، ويحكم يا أمة محمّد ، ما أسرع هلكتكم ! هؤلاء صحابة نبيّكم متوافرون ، وهذه ثيابه لم تبل ، وآنيته لم تكسر ، والذى نفسى بيده ! انكم لعلّى ملّة هي أهدي من ملّة محمّد صلى الله عليه وسلّم أو مفتتحوا باب ضلالة . قالوا : والله يا أبا عبد الرحمن ! ما أردنا ألا الخير . قال : وكم من مريد للخير لن يصيبه ، إنّ رسول الله صلى الله عليه وسلّم حدّثنا أنّ قوما يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم ، وأيم الله ما أدرى لعلّ أكثرهم منكم ، ثمّ تولّى عنهم . فقال عمرو بن سلمة : رأينا عامّة أولئك يطاعوننا يوم التّهروان مع الخوارج .

”ہم صبح کی نماز سے پہلے سیدنا عبداللہ بن مسعود کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ جب آپ گھر سے نکلیں ، ہم ان کے ساتھ مسجد میں جائیں ، ہمارے پاس سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور پوچھا ، کیا ابو عبدالرحمن (ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) گھر سے نکلے ہیں؟ ہم نے کہا ، ابھی تک تو نہیں ، وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے ، جب آپ گھر سے نکلے ، ہم سب ان کی طرف اٹھے ، ابو موسیٰ نے عرض کی ، اے ابو عبدالرحمن ! میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسا کام دیکھا ہے ، جسے بہت عجیب سمجھا ہوں ، بظاہر تو مجھے نیکی ہی معلوم ہوئی ہے ، آپ نے فرمایا ، وہ کونسا کام ہے ، انہوں نے عرض کی ، آپ عنقریب اسے دیکھ لیں گے ، میں نے مسجد میں لوگوں کے کئی حلقے دیکھے ہیں ، جو نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں ، ہر حلقے میں ایک آدمی تھا ، جو کہتا کہ سودفعہ اللہ اکبر کہو ، لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں ، وہ سودفعہ اللہ اکبر کہتے ، پھر وہ کہتا کہ سودفعہ لا الہ الا اللہ کہو ، لوگ سودفعہ لا الہ الا اللہ کہتے ، پھر وہ کہتا کہ سودفعہ سبحان اللہ کہو ، وہ ایسا ہی کرتے ۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ، آپ نے ان سے کیا کہا تھا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ، میں نے تو آپ کی رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا اور کچھ نہیں کہا ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنی برائیاں شمار کریں اور میں ضامن ہوں کہ ان کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی ۔

پھر آپ ہمارے ساتھ چلے ، حتیٰ کہ ان حلقوں میں سے ایک حلقے کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا ، میں تمہیں کیا کرتا دیکھ رہا ہوں؟ وہ کہنے لگے ، اے ابو عبدالرحمن ! ہم کنکریوں کے ساتھ اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ شمار کر رہے ہیں ، آپ نے فرمایا ، تم اپنے گناہ شمار کرو ! میں ضامن ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع

نہیں ہوگی، آہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کتنی جلدی تمہاری ہلاکت آگئی، یہ تمہارے نبی کے صحابہ ابھی وافر تعداد میں موجود ہیں، آپ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے، آپ کے برتن ابھی ٹوٹے نہیں، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے بہتر طریقے پر ہو یا پھر گمراہی کے دروازے کھول رہے ہو۔

وہ کہنے لگے، اے ابوعبدالرحمن! ہم تو نیکی کے ارادے سے ایسا کر رہے تھے، آپ فرمانے لگے، کتنے ہی نیکی کے طلب گار ہیں، جو نیکی کو نہیں پاسکتے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے، جو قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کر سکے گا، اللہ کی قسم! میرے خیال کے مطابق ان میں سے اکثر تم میں سے ہیں، پھر آپ ان کے پاس سے واپس آ گئے۔

عمر بن سلمہ کہتے ہیں، ہم نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر لوگ جنگ نہروان والے دن خارجیوں کے ساتھ مل کر ہم (صحابہ کرام) پر تیر برسا رہے تھے۔

(سنن دارمی: ۱/ ۶۱-۶۲، اتحاف المہرۃ لابن حجر: ۱۰، ۳۹۹-۴۰۰، وسندہ حسن)

☆۱ الحکم بن المبارک کو امام احمد بن حنبل، امام ابن مندہ، امام ابن حبان، حافظ ابن السمعانی اور حافظ ذہبی (الکاشف: ۱/ ۱۸۳) نے ”ثقة“ قرار دیا ہے۔

امام ابن عدی نے ان پر حدیث کی چوری کا الزام لگایا ہے (الکامل لابن عدی: ۱/ ۱۸۵، ترجمہ احمد بن عبدالرحمن الوہبی)، جمہور کی توثیق کے مقابلہ میں یہ جرح مردود ہے۔

☆۲ عمرو بن یحییٰ ”ثقة“ ہے۔ (تقریب: ۵۱۳۷)

☆۳ یحییٰ بن عمرو بن سلمہ

☆۴ عمرو بن سلمہ الہمدانی ”ثقة“ ہے۔ (تقریب: ۵۰۴۱)

ذکر تو مشروع ہے، لیکن اس کی ہیئت، طریقہ، رنگ ڈھنگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تھا تو صحابی رسول نے اس کو نہ صرف بدعت قرار دیا، بلکہ امت کی تباہی و بربادی کا بھی سبب قرار دیا، یاد رہے کہ جو کام صحابہ کے عہد میں بلائیں رائج ہو جائے، وہ بدعت نہیں ہوتا ہے۔

حافظ ابن تیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ لَا يَعْبُدُ إِلَّا بِمَا شَرَعَهُ عَلَى أَلْسِنَةِ رُسُلِهِ، فَإِنَّ الْعِبَادَةَ حَقٌّ عَلَى عِبَادِهِ، وَحَقُّهُ

الذی أحقّه هو ورضی به و شرعه ، وأمّا العقود والشروط و المعاملات فهی عفو حتی یحوّمها .  
 ”اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طریقے سے معتبر ہوگی، جو اس نے اپنے انبیاء کی زبانی بیان کر دیا ہے، کیونکہ عبادت بندوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کا حق (ادا کرنے کا طریقہ) وہی ہے، جو اس نے خود پسند اور مقرر کیا ہے، البتہ شروط و معاملات کو جب تک اللہ حرام قرار نہ دے، جائز ہوتے ہیں۔“

(اعلام الموقعین: ۱/۳۴۴)

## بدعت کے رد پر اصول اصول نمبر ۱:

واضح رہے کہ دینی امر کا حکم من جانب اللہ ضروری ہے، جب تک اللہ اجازت نہ دے، اس کا کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”انما أنا بشر إذا أمرتکم بشیء من دینکم فخذوا به وإذا أمرتکم بشیء من رأی فانما أنا بشر“  
 ”یقیناً میں بشر ہوں جب میں تمہیں کوئی بھی دینی حکم دوں تو اس پر ( سختی سے ) عمل پیرا ہو جاؤ اور جب میں تمہیں ( دنیاوی کاموں کا ) اپنی رائے سے حکم دوں تو میں بشر ہوں۔“ (صحیح مسلم: ۲۳۶۲)  
 نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: ”أنتم أعلم بأمر دنیاکم“ ”دنیاوی امور کو تم بہتر جانتے ہو۔“

(صحیح مسلم: ۲۳۶۳)

اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول ثابت ہوا کہ دنیاوی کاموں میں جب تک ممانعت وارد نہ ہو، کر سکتے ہیں، لیکن دین کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا حکم ضروری ہے، جب تک شرعی دلیل نہ ملے، ان کا کرنا ممنوع ہے، مروجہ جشن عید میلاد جیسی بدعات کی اصل کتاب و سنت میں نہیں ہے، لہذا یہ بدعت اور ممنوع ہیں۔

## فائدہ :

جو چیزیں مبادی سے تعلق رکھتی ہوں، مقاصد (اعتقادات و عبادات) میں داخل نہ ہوں، ان کے متعلق شرعی ممانعت وارد نہ ہو تو کسی مصلحت کے لئے مقرر کرنا جائز ہے، مثلاً سنہ ہجری کا مقرر کرنا، مسجد میں سپیکر لگوانا، تبلیغ دین کے لئے دینی محافل و مجالس کا انعقاد کرنا اور کتابوں کی اشاعت کرنا وغیرہ، اہل بدعت ان امور کے جائز ہونے سے ہر قسم کے نئے کاموں کا نکلنا جائز سمجھتے ہیں، یہ ان کی سراسر جہالت اور علم سے بے خبری ہے۔

## اصول نمبر ۲:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا: ”میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، لولا اُنّی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک، اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔“

(صحیح بخاری: ۱۶۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۷۰)

سیدنا عمر کے قول سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو نہ کرنا عدم ثبوتِ شرعی کا حکم رکھتا ہے، یہی حال عید میلاد اور دیگر بدعات کا ہے۔

### اصول نمبر ۳:

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۹)

”جو کوئی آخرت کے ارادہ سے عمل کرے (نہ کہ دنیا کے لئے)، جتنی المقدور اس میں کوشش کرے اور ہو بھی مومن، تو ایسے لوگوں کی کوشش کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے گا۔“

اس آیتِ کریمہ میں ”سَعْيَهَا“ کے معنی معین کردہ عمل کے ہیں، مصدر کی اضافتِ تعین کا فائدہ دیتی ہے، وہی کوشش بار آور ثابت ہوگی، وہی عمل قبول ہوگا، جو قرآن و سنت سے ثابت ہوگا، جو ثابت نہ ہو، وہ بدعت ہے، مروجہ جشنِ عید میلاد و دیگر بدعات سنت سے ثابت نہیں ہیں، لہذا مردود و باطل ہیں۔

### اصول نمبر ۴:

ابو وائل کہتے ہیں کہ میں شیبہ بن عثمان کے پاس کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ عمر بن خطاب اسی جگہ تشریف فرما تھے اور فرمانے لگے کہ میرا ارادہ ہے کہ (کعبہ میں) جو سونا اور چاندی ہے، وہ مسلمانوں میں بانٹ دوں، تو میں نے کہا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے، آپ نے فرمایا، کیوں؟ میں نے کہا: لم یفعله صاحبک۔ آپ کے دوسرا تھیوں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے یہ کام نہیں کیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هما المرآن یقتلای بہما۔ ”یہ دو ہستیاں مقتدا اور پیشوا ہیں۔“

(صحیح بخاری: ۷۲۷۵)

ثابت ہوا جس کام کا محرک موجود ہو، کوئی مانع بھی نہ ہو، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قصدِ ترک کیا ہو، اگرچہ اس کے بارے میں ممانعت ثابت نہ بھی ہو، تو اس کا ترک کرنا سنت ہے اور کرنا



بدعتِ سیئہ و مذمومہ ہے، یہی حال مروّجہ جشنِ عیدِ میلادِ النبی کا ہے، قرآن و حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں، اس کی ابتدا چوتھی صدی ہجری میں ہوئی، سب سے پہلے مصر میں نام نہاد فاطمی شیعوں نے یہ جشن منایا۔

(الخطط للمقریزی: ۱/ ۴۹۰ وغیرہ)

ہر بدعت کا یہی حال ہے۔

جناب غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب لکھتے ہیں: ”اس سلسلہ میں صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع نہ ہو، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام قصد اترک کیا ہو تو وہ کام کرنا یقیناً ناجائز امرِ بدعت ہے۔“ (شرح صحیح مسلم: ۵۴۵/۲)

بدعتِ عیدِ میلاد کا سبب (مجلسِ میلاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم) آپ کے زمانے میں موجود تھا، اس کے کرنے میں کوئی بندش بھی نہیں تھی، آپ نے اور صحابہ کرام نے اس کو قصد اترک کیا، لہذا اب اس کا انعقاد یقیناً ناجائز امرِ بدعت ہے۔

عیدین سے پہلے اذان کا محرک موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کو قصد اترک کیا، جبکہ اذان اللہ کا ذکر، شعائرِ اسلام اور دعوتِ تامہ ہے، جو کہ بظاہر عام شرعی دلیلوں کے تحت درج بھی ہو سکتی ہے، اذانِ عیدین کو اذانِ جمعہ پر قیاس کرنے کی گنجائش بھی ہے، نیز یہ کسی شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہے، شریعت نے اس سے منع بھی نہیں کیا، اس کے باوجود یہ بدعتِ مذمومہ اور سیئہ ہے، وجہ ایک ہی ہے کہ اس کا محرک موجود تھا، کوئی مانع بھی نہیں تھا، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قصد اترک کیا، ہر بدعت کا یہی حال ہے۔

واضح رہے کہ بدعات یا تو عام دلیلوں کا فرد ہی نہیں ہوتی ہیں یا ان سے مستثنیٰ ہوتی ہیں، لہذا بدعت کے ثبوت پر عام اور مطلق دلیل سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

اہل بدعت مروّجہ عیدِ میلاد اور دیگر بدعات کے ثبوت میں جو دلائل پیش کرتے ہیں، کیا صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور سلف صالحین ان سے بے خبر تھے؟ اگر ان دلائل سے مروّجہ عیدِ میلاد وغیرہ کا جواز یا استحباب ثابت ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس کا اہتمام کرتے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود مقتضیٰ اور عدم مانع کے ترک کیا ہے، اس کا ترک کرنا سنت ہے اور کرنا بدعتِ سیئہ و مذمومہ ہے۔

**اصول نمبر ۵ :**

ہر بدعت کے ناجائز ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:  
 لَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهِ ، يَرَى أَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ لَا يَنْصُرَ إِلَّا عَنْ يَمِينِهِ ،  
 لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا يَنْصُرُ عَنْ يَسَارِهِ .

”تم میں سے کوئی اپنی نماز میں اس طرح شیطان کا حصہ نہ بنالے کہ (سلام کے بعد) دائیں طرف سے  
 پھرنا اپنے اوپر لازم کر لے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بائیں جانب سے پھرتے دیکھا ہے۔“

(صحیح بخاری: ۸۵۲، صحیح مسلم: ۷۰۷)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی جائز و مستحب کام پر اصرار کرنا، اس کے ساتھ واجب کا معاملہ کرنا، اس کو  
 شیطانی کام بنادیتا ہے، ایک بدعت کو ضروری قرار دینا کیونکر جائز ہوگا؟

## اصول نمبر ۶:

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: وَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَيَقُولُونَ فِي كُلِّ فِعْلٍ وَقَوْلٍ لَمْ يَثْبُتْ عَنْ  
 الصَّحَابَةِ هُوَ بَدْعٌ ، لَوْ كَانَ خَيْرًا لَسَبَقُونَا إِلَيْهِ لَأَنَّهُمْ لَمْ يَتْرُكُوا خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ إِلَّا وَقَدْ  
 بَادَرُوا إِلَيْهَا .

”اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہر وہ قول و فعل جو صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے، اگر وہ کارِ خیر  
 ہوتا تو وہ ہم سے پہلے یہ کام کر جاتے، کیونکہ وہ کوئی نیک کام نہ چھوڑتے تھے، بلکہ اس میں جلدی کرتے تھے۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۵/۵۶۷)

اگر مروجہ جشنِ عید میلادِ یادِ دیگر بدعات کی کوئی اصل ہوتی تو صحابہ کرام اس میں پہل کرتے، کیونکہ وہ سب  
 سے بڑھ کر قرآن و حدیث کے معانی، مفاہیم و مطالب اور تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان کے مطابق اپنی  
 زندگیوں کو ڈھالنے والے تھے۔

## بدعتی کی مذمت

☆۱ امام سفیان بن عیینہ ؒ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿الأعراف: ۱۵۲﴾ (اور ہم افتراء  
 باندھنے والوں کو اسی طرح بدلادیتے ہیں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

كُلُّ صَاحِبِ بَدْعَةٍ ذَلِيلٌ . ”ہر بدعتی ذلیل ہوتا ہے۔“ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۹۰۶۷، وسندہ صحیح)

☆۲ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ (النحل: ۱۱۶)

”کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔“  
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ویدخل فی هذا کل من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعی او حلل شیئاً مما حرم الله او حرم شیئاً مما أباح الله بمجرد رأیه وتشهیهه.

”ہر بدعتی اس حکم میں داخل ہے، جس نے بدعت جاری کی، جبکہ اس کے پاس اس بدعت پر شرعی ثبوت و دلیل نہیں ہے، یا جس نے محض اپنی رائے اور نفسانی خواہش سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۷۷۹)

☆ ۳ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ (آل عمران: ۷)

”وہی ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اس کی بعض آیات محکم ہیں، وہی ام الکتاب ہیں اور دوسری متشابہ ہیں، سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنہ تلاش کرنے اور اس کی تاویل کے لیے متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں۔“

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وهذه الآية وان كانت نزلت فيمن ذكرنا انها نزلت فيه من اهل الشرك ، فانه معنى بها كل مبتدع في دين الله بدعة فمال قلبه اليها تاويلا منه بعض متشابه آي القرآن ، ثم حاج به وجادل به اهل الحق وعدل عن الواضح من أدلة آية المحكمات ارادة منه بذلك اللبس على اهل الحق من المؤمنين ، و طلبا لعلم تاويل ما تشابه عليه من ذلك كائناً من كان ....

”اگرچہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس سے مراد ہر بدعتی ہے، جو اللہ کے دین میں بدعت نکالتا ہے، پھر قرآن کی بعض متشابہ آیات میں تاویل کرتے ہوئے اس کا دل اس کی طرف مائل ہو

جاتا ہے اور وہ اہل حق سے جھگڑا کرتے ہوئے محکم آیات میں موجود واضح حق سے ہٹ جاتا ہے، اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اہل حق مومنوں سے حق کو چھپائے اور متشابہ آیات کی تاویل تلاش کرے، چاہے جو بھی ہو۔“

(تفسیر طبری : .....)

☆۴ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وقّر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام .

”جس نے کسی بدعت کی تعظیم کی، اس نے اسلام کو ڈھانے پر معاونت کی۔“

(الشریعة للآجری : ص ۹۶۲، ح : ۲۰۴۰، وسندہ صحیح)

اس کا راوی ابو الفضل عباس بن یوسف اشکلی ”مقبول الروایۃ“ ہے۔ (تاریخ الاسلام للذهبی : ۲۳ / ۴۷۹)

☆۵ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں:

ومن أحدث حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملئكة والناس أجمعين ، لا يقبل منه صرف ولا عدل .

”جو کوئی بدعت نکالتا ہے یا بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس سے

کوئی فرضی و نقلی عبادت قبول نہیں ہوتی۔“ (مسند الطیالسی : ص ۲۹۹، مسند المسدد (تحاف الخیرۃ : ۶۸۵۰) واللفظ

لہ، مسند الامام احمد : ۲ / ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۴، ۲۱۱، وسندہ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی (۱۲۱۳) نے ”حسن“ اور امام ابن الجارود (۱۰۷۳) نے ”صحیح“ کہا ہے۔

☆۶ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا وإنی فرطکم علی الحوض ، وأکثر بکم الأمم ، فلا تسودو وجهی ، ألا وإنی مستنقذ

أناسا ، ومستنقذ منی أناس ، فأقول : یا رب ! أصبحابی؟ فیقول : انک لا تدري ما أحدثوا بعدک .

”سنو! میں حوض (کوثر) پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور تمہاری کثرت تعداد کی وجہ سے دوسری قوموں پر فخر

کروں گا تو مجھے (قیامت کے دن) رسوا نہ کر دینا، سنو! میں کچھ افراد کو (جہنم سے) چھڑاؤں گا اور کچھ لوگ مجھ سے چھین لیے جائیں گے (اور جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے)۔ میں کہوں گا، میرے رب! میرے ساتھی؟ تو

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آپ کو نہیں معلوم، انہوں نے آپ کے بعد نئے کام کیے؟“ (سنن ابن ماجہ : ۳۰۵۷، وسندہ

حسن ، قال البوصیری : هذا اسناد صحیح (مصباح الزجاجة : ۳ / ۲۰۷)، واخرجه مسدد فی مسنده کما فی مصباح الزجاجة :

۲۰۷/۳، واحمد : ۵ / ۴۱۲، والنسائی (الکبریٰ : ح : ۴۰۹۹)، والطبری : ۱۰ / ۷۳، وسندہ صحیح)

## اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

حافظ ابو یحییٰ نوپوری

### دلیل نمبر ۱:

عن جابر بن سمرة : أن رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم : أتوضأ من لحوم الغنم؟ قال : ان شئت فتوضأ ، وان شئت فلا توضأ : قال أتوضأ من لحوم الابل ؟ قال : نعم ، فتوضأ من لحوم الابل ، قال : أصلي في مريض الغنم ؟ قال : نعم ، قال أصلي في مبارك الابل ؟ قال : لا . ”سیدنا جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، کیا میں بکری کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کروں؟ آپ نے فرمایا، اگر چاہو تو وضو کرو اور اگر نہ چاہو تو نہ کرو، اس نے عرض کی، کیا میں اونٹ کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، اونٹ کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کرو، عرض کی، کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں، عرض کی، کیا میں اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لوں؟ فرمایا، نہیں۔“ (صحیح مسلم : ۳۶۰)

### دلیل نمبر ۲:

عن البراء بن عازب قال : سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوضوء من لحوم الابل ، فقال : توضؤوا منها ، وسئل عن الوضوء من لحوم الغنم ، فقال : لا توضؤوا منها . ”سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، اس سے وضو کرو، پھر آپ سے بکریوں کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا، اس سے وضو نہ کرو۔“

(سنن ترمذی : ۸۱ ، سنن أبی داؤد : ۱۸۴ ، سنن ابن ماجہ : ۴۹۴ ، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۳۲) ، امام ابن حبان (۱۱۲۸) ، امام ابن الجارود (۲۶) ، امام احمد بن حنبل، (مسائل الامام أحمد لابنه عبد الله : ۱/ ۶۵) اور امام اسحاق بن راہویہ (جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۸۱) رحمہم اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

مسند ابی داؤد الطیلسی (۷۳۵-۷۳۶) اور سنن کبریٰ بیہقی (۱۰۹/ ۱) میں اعمش نے سماع کی تصریح کی ہے۔

## دلیل نمبر ۳:

عن جابر بن سمرة قال : كنّا نتوضّأ من لحوم الابل ولا نتوضّأ من لحوم الغنم .  
 ”سیدنا جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرام) اونٹ کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کرتے تھے، لیکن بکریوں کے گوشت سے وضو نہیں کرتے تھے۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ : ۴۶/۱ ، ح : ۵۱۷ ، وسندہ صحیح)

سیدنا جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مذکورہ مرفوع حدیث بھی بیان کی ہے اور مسلم قاعدہ ہے کہ راوی حدیث اپنی روایت کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے، راوی حدیث صحابہ کا عمل بیان کر رہے ہیں، گویا کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔  
 ائمہ محدثین اور فقہائے کرام کی آراء

☆۱ امام ترمذی (۲۰۰ - ۲۷۹) یوں باب قائم کرتے ہیں: باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل .  
 ”اونٹ کے گوشت (کو کھانے) سے وضو کے بارے میں روایات کا بیان۔“  
 نیز لکھتے ہیں:

وهو قول أحمد وإسحاق ، وقد روى عن بعض أهل العلم من التابعين وغيرهم : أنهم لم يروا الوضوء من لحوم الابل ، وهو قول سفيان الثوري وأهل الكوفة .  
 ”امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے (کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جانا ہے)، البتہ بعض اہل علم تابعین وغیرہم سے مروی ہے کہ وہ اونٹ کے گوشت (کو کھانے) سے وضو (کا واجب ہونا) خیال نہیں کرتے تھے، یہ سفيان ثوري اور اہل کوفہ کا مذہب ہے۔“

(جامع ترمذی ، تحت حدیث : ۸۱)

☆۲ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (جامع ترمذی تحت حدیث : ۸۱)

☆۳ امام ابو داؤد (۲۰۲ - ۲۷۵) کی تبویب یوں ہے: باب الوضوء من لحوم الابل .

”اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا بیان۔“ (سنن أبی داؤد : ۷۸۴)

☆۴ امام ابن ماجہ (۲۰۹ - ۲۷۳) رقمطراز ہیں: باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل .

”اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کی روایات کا بیان۔“ (سنن ابن ماجہ: ۴۹۴)

☆۵ امام الائمہ ابن خزیمہ (۳۳۳-۳۱۱) یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب الأمر بالوضوء من أكل لحوم الابل .

”اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم کا بیان۔“ (صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۱/۱ ح: ۳۱)

☆۶ امام ابن حبان (۳۵۴م) لکھتے ہیں:

ذكر الأمر بالوضوء من أكل لحم الجزور ضدّ قول من نفى عنه ذلك .

”اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے حکم کا بیان، بخلاف اس شخص کے جو اس کی نفی کرتا ہے۔“

(صحیح ابن حبان: ۴۳۷/۳ ح: ۱۱۵۴)

☆۷ حافظ ابن حزم (۴۵۶م) لکھتے ہیں:

وأكل لحوم الابل نيئة ومطبوخة أو مشوية وهو يدرى أنه لحم جمل أو ناقة فإنه ينقض الوضوء .

”اونٹ کا گوشت کھانا، خواہ کچا ہو یا پکا یا بھونا ہوا ہو، وضو توڑ دیتا ہے، بشرطیکہ کھانے والا جانتا ہو کہ یہ اونٹ

یا اونٹنی کا گوشت ہے۔“ (المحلی لابن حزم: ۲۴۷/۱)

☆۸ امام بیہقی (۴۵۸م) کی تبویب حسب ذیل ہے: باب التّوّصّي من لحوم الابل .

”اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا بیان۔“ (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۵۹/۱)

نیز مخالفین کے بودے دلائل کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و بمثل هذا لا يترك ما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم .

”اس جیسے (غیر معتبر دلائل) کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ حدیث کو چھوڑا نہیں جا

سکتا۔“ (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۵۸/۱ - ۱۵۹)

☆۹ امام ابن المنذر (۳۸۸م) فرماتے ہیں:

والوضوء من لحوم الابل يجب ، لثبوت هذين الحديثين وجودة اسنادهما .

”ان دونوں حدیثوں کے ثبوت اور ان کی سند کی عمدگی کی بناء پر اونٹ کا گوشت کھانے پر وضو واجب ہو

جاتا ہے۔“ (الأوسط لابن المنذر: ۱/۱۳۸)

☆۱۰ حافظ نووی لکھتے ہیں: وهذا المذهب أقوى دليلاً .



”یہ مذہب (کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔“

(شرح مسلم از نووی: ۱/ ۱۸۵)

”یہ پوری دس گواہیاں ہیں۔“

تلك عشرة كاملة -

## مذہبِ احناف اور اس کے دلائل

قارئین کرام! آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرامین، صحابہ کے عمل اور محدثین کی تبویب و آراء اور فتاویٰ جات سے اندازہ لگا چکے ہیں کہ یہ مسئلہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، اس کے برعکس ہمارے تقلیدی بھائی اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کے قائل نہیں، ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں، حسبِ روایتِ سابقہ اس مسئلہ میں بھی وہ صحیح و صریح احادیث پر تاویلات کے وار کر کے اپنے مذہبِ شکستہ کو سہارا دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

## فائدہ :

جناب محمد سرفراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

”امام نووی شرح مسلم (۱/ ۱۵۸) میں لکھتے ہیں: جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ لحومِ اہل کے استعمال کی وجہ

سے وضو نہیں ٹوٹتا اور لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ کا یہی مسلک تھا“ (خزائن السنن: ۱/ ۱۶۷)

صفدر صاحب کو ”جمہوریت“ کے اتنے شیدائی ہیں کہ اس سلسلے میں ذرا سا تاثر مل بھی گوارا نہیں کرتے، ادھر کسی نے جمہور کا تذکرہ کیا، ادھر جھٹ سے صفدر صاحب نے لیا، حالانکہ اولاً اکثر اوقات فقہ حنفی کے مسائل جمہور کے منافی ہوتے ہیں، دفاعِ حدیث کے سلسلے میں ہم جو تحقیق پیش کرتے رہتے ہیں، اسی پر غور کرنے سے حقیقتِ حال منکشف ہو جاتی ہے، کئی مقامات پر جمہور تو درکنار، اجماع کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔

ثانیاً جمہور کی خلافِ سنت بات نہیں مانی جاسکتی، اسی لئے اہلحدیث کے ہاں مسائل میں جمہور کی موافقت ضروری نہیں، دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کا نام ہے، نہ کہ جمہور کی آراء کا، اگر ایک آدمی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کرتا ہے، تو اسی کی بات معتبر ہوگی، خود جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

فما علی أبی حنیفة من ملام اذا كان متمسكاً بالحديث الصحيح أو الحسن ان خالفه الناس فافهم ! ” ابوحنیفہ پر اس وقت کوئی ملامت نہیں بنتی جب وہ صحیح یا حسن حدیث پر عمل کریں، اگرچہ دوسرے

لوگ (محدثین) ان کی مخالفت ہی کریں، اس بات کو سمجھ لینا چاہیے۔“ (اعلاء السنن: ۱/ ۱۷۴)

ثالثاً غور کرنے سے پتا چلے گا کہ اس مسئلہ میں بھی جمہور موافق حدیث ہیں، حافظ نووی کی یہ بات صحیح نہیں کہ جمہور کے ہاں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز یہ کہ خلفاء اربعہ کا یہی مذہب تھا۔ احناف کو چاہیے کہ خلفائے اربعہ تو کجا، کسی ایک خلیفہ راشد سے بھی باسند صحیح یہ بات ثابت نہیں کر دیں۔  
ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین!

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَنْ نَقَلَ عَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ أَوْ جَمْهُورِ الصَّحَابَةِ أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَتَوَضَّأُونَ مِنْ لَحْمِ الْإِبِلِ، فَقَدْ غَلَطَ عَلَيْهِمْ.

”تو جس آدمی نے خلفائے راشدین یا جمہور صحابہ کرام سے اونٹ کے گوشت سے وضو نہ کرنا نقل کیا ہے، اس نے ان کی طرف غلط بات منسوب کی ہے۔“ (القواعد النورانية: ۹)

کاش کہ صفدر صاحب کچھ غور فرماتے۔  
امام مالک اور امام شافعی سے بھی باسند صحیح یہ مذہب ثابت نہیں، اگر بعض الناس میں جرأت ہے تو آزمائیں، مزے کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اس مذہب کو امام ابوحنیفہ سے بھی باسند صحیح ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے برعکس ہم نے ایک درجن سے زائد ائمہ اور محدثین سے باسند صحیح یہ ثابت کیا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کوئی ان کی سند پر اعتراض تو کرے!

## دلیل احناف:

جناب محمد سر فراز خاں صفدر دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

”امام نووی نے شرح مسلم (۱۵۸/۱) میں یہ دلیل دی ہے کہ ترک الوضوء مما مست النار کی حدیث اس کی بھی ناسخ ہے، لیکن ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ لحوم ابل والی روایت مخصوص ہے اور یہ عام ہے تو اس صورت میں نسخ مشکل ہے۔“ (خزائن السنن: ۱/ ۱۶۷)

## تبصرہ:

یادر ہے کہ حافظ نووی نے یہ دلیل نہیں دی بلکہ لحوم ابل سے وضو واجب قرار نہ دینے والوں سے نقل کی

ہے، کیونکہ وہ خود تو لکھتے ہیں کہ یہ دلیل بنتی ہی نہیں، کیونکہ وضو کرنے والی روایت خاص ہے اور عام الفاظ سے خاص کا نسخ مشکل ہے۔

پھر صفدر صاحب نے بھی لکھا ہے:

”لیکن جمہور کی طرف سے پیش کی گئی یہ دلیل صحیح معلوم نہیں ہوتی۔۔۔“ (خزائن السنن از صفدر: ۱/ ۱۶۷)

یہ بعض الناس کے دلائل کی کل کائنات تھی، جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا، اب جبکہ وہ دلیل سے عاری ہو گئے، تو انہیں اثبات وضو والی احادیث میں تاویلاتِ فاسدہ کر کے ان کا جواب دینے کی سوجھ بوجھ گئی، آئیے ان کی تاویلات اور ان کے شافی و کافی جوابات ملاحظہ ہوں:

## تاویل نمبر ۱:

”مولانا عثمانی فتح الملہم (۴۹۰/۱) میں ان روایات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان حدیثوں میں وضو وجوب کے لئے نہیں، کیونکہ مجمع الزوائد (۲۵۰/۱) میں حضرت سمرۃ سوانی کی روایت آتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے کہا کہ انا اهل بادية و ماشية فهل نتوضأ من لحوم الابل و الالبان قال: نعم أو كما قال. علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اسنادہ حسن ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ البان اہل سے وضو کا لازم نہ ہونا سب کا اتفاق مسئلہ ہے تو اسی طرح لحوم اہل کا بھی یہی حکم ہوا اور مبارکپوری تحفۃ الاحوذی (۸۴/۱) میں اور مولانا سہارنپوری بذل المجہود (۱۱۲/۱) میں لکھتے ہیں کہ البان اہل کے استعمال سے وضو کے نہ ہونے پر اجماع امت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۵۰/۱) میں طبرانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مضمضوا من اللبن۔۔۔ تو جیسے ان روایتوں میں شرب لبن کے بعد مضمضہ لازم اور ضروری نہیں صرف مستحب ہے، اسی طرح لحوم اہل کے بعد بھی

ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔۔۔“ (خزائن السنن از صفدر: ۱/ ۱۶۸ - ۱۶۹)

## تبصرہ:

امام ابن حبان فرماتے ہیں: ذکر البیان بأن الأمر بالوضوء مما مست النار منسوخ خلا لحم الابل وحدها۔ ”اس بات کا بیان کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضو کا حکم منسوخ ہے

، سوائے اونٹ کے گوشت کے۔“ (صحیح ابن حبان: ۳/ ۴۳۷)

نیز لکھتے ہیں:

ذكر خبر قد يوهم غير المتبحر في صناعة العلم أنه ناسخ لأمره بالوضوء من لحوم الابل .  
 ”اس حدیث (ترك الوضوء مما مست النار) کا بیان جو کہ علمی میدان میں ناقص آدمی کو یہ وہم  
 دلاتی ہے کہ آپ کا اونٹ کے گوشت کو کھانے سے وضو کا حکم اس سے منسوخ ہو گیا ہے۔“

(صحیح ابن حبان: ۱/ ۴۱۴)

## تبصرہ:

صفدر صاحب نے اپنے مولانا عثمانی کے حوالہ سے اور عثمانی صاحب نے خود استدلال کرتے ہوئے یہ  
 ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لحوم الابل کے استعمال سے وضو مستحب ہے، واجب نہیں، حالانکہ:  
 ☆۱ جس روایت کو بنیاد بنا کر صفدر صاحب اور عثمانی صاحب نے استدلال کیا ہے، وہ سخت ”ضعیف“  
 بلکہ ”موضوع“ (من گھڑت) درجے کی ہے، اس کا راوی سلیمان بن داؤد الشاذلی کوئی جمہور کے نزدیک  
 ”کذاب و متروک“ ہے۔

مزے کی بات تو یہ ہے کہ اس راوی کی ”تضعیف“ پر صفدر صاحب احسن الکلام (۲۰۴/۱) میں پورا زور  
 صرف کر چکے ہیں، لیکن یہاں ان کا حافظہ جواب دے گیا اور اس کی روایت سے استدلال کر لیا، ایسے کذاب و  
 متروک اور خبیث راویوں کی روایات سے استدلال مقلدین ہی کا خاصہ ہے۔

☆۲ دودھ پینے کے بعد کلی کے استحباب پر خارجی قرائن (راوی صحابی اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا کلی نہ کرنا) کی وجہ سے اسے استحباب پر محمول کیا گیا ہے، جبکہ لحوم ابل (اونٹ کا گوشت کھانے سے) سے  
 وضو کے عدم وجوب کا کوئی قابل اعتبار قرینہ موجود نہیں۔

☆۳ محدثین کرام نے دودھ پینے کے بعد کلی کے استحباب کی صراحت کی ہے، جیسا کہ عثمانی صاحب  
 نے خود لکھا ہے، جبکہ اس کے برعکس اونٹ کے گوشت کھانے پر محدثین نے وضو کو واجب قرار دیا ہے۔

دیکھیں امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، حافظ ابن حزم رحمہم اللہ وغیرہم  
 کے اقوال و فتاوی جات، جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔

انصاف شرط ہے کہ ایسے معاملے پر جسے بالاتفاق محدثین نے مستحب قرار دیا ہو، کسی ایسے معاملے کو کیسے  
 قیاس کیا جاسکتا ہے جسے محدثین نے واجب قرار دیا ہو؟

## تنبیہ:

صفدر صاحب کا یہ کہنا کہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اونٹ کا دودھ پینے کے بعد کلی کے مستحب ہونے پر اجماع لکھا ہے، مطالعہ کے فقدان اور عدم احتیاط کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مبارکپوری رحمہ اللہ تو ایسا کہنے والے (سہارنپوری صاحب) کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله : هذا محمول عند جميع الأمة على شربها بأن يستحب له الخ مبنی علی غفلته عن مذاهب الأمة ، قال ابن قدامة : وفي شرب لبن الابل روايتان ، أحدهما ينقض الوضوء ، ”سہارنپوری کا یہ کہنا کہ اونٹ کے دودھ سے کلی کا حکم ساری امت کے ہاں استحباب پر محمول ہے، یہ ان کی مذاہب امت سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ ابن قدامہ کہتے ہیں: اونٹ کا دودھ پینے میں بھی دو مذہب ہیں، ایک کے مطابق یہ وضو کو توڑ دیتا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۱/ ۸۴)

## تاویل نمبر ۲:

جناب صفدر صاحب لکھتے ہیں:

”اور خطابي معالم السنن (۱۳۶/۱) میں لکھتے ہیں کہ لحم ابل کے استعمال کے بعد وضوء مستحب ہے یا وضوء لغوی مراد ہے، یعنی غسل الیدین والثم۔“ (خزائن السنن: ۱/ ۱۶۹)

درس ترمذی (۳۰۰/۱) میں جناب تقی عثمانی اور اعلیٰ السنن (۱۷۷/۱) میں جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے بھی یہ بات کہی ہے۔

نیز امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں: قد يجوز أن يكون الوضوء الذي أَرَادَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هو غسل الید . ہو سکتا ہے کہ جو وضو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراد لیا ہے، وہ لغوی وضو یعنی ہاتھوں کو دھونا ہو۔“ (شرح معانی الآثار: ۱/ ۵۷)

## تبصرہ:

☆ اس مسئلہ میں وضو کے لغوی ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: انّ الوضوء اذا جاء في لسان الشارع وجب حملة على الموضوع الشرعي دون اللغوي لأنّ الظاهر منه أنه إنما يتكلم بموضوعاته .

”جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لفظ وضو نکلے تو اسے لغوی معنی کے بجائے شرعی معنی پر محمول کرنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ آپ سے معروف یہی ہے، کہ آپ شرعی لفظ بولتے ہیں۔“

نیز لکھتے ہیں: ”ثم لابد من دليل نصرف به اللفظ عن ظاهره ويجب أن يكون الدليل له من القوة بقدر قوة الظاهر المتروكة وأقوى منها وليس لهم دليل“ .

”پھر ضروری ہے کہ کوئی ایسی دلیل ہو جس کے ذریعے ہم لفظ کو اس کے ظاہری معنی (شرعی معنی) سے ہٹا سکیں اور اس دلیل میں چھوڑے گئے ظاہر کے برابر بلکہ اس سے زیادہ قوت ہونا بھی ضروری ہے، جبکہ ان احناف کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں۔“ (المعنى لابن قدامة بحواله تحفة الأحوذى: ۸۴/۱)

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: ”فانه لا يطلق الوضوء في الشرعية الا لوضوء الصلاة فقط“ .

”شریعت میں لفظ وضوء صرف نماز کے وضوء کے لئے بولا گیا ہے۔“

نیز لکھتے ہیں: ”ولو أن المعارض بهذا ينكر على نفسه القول بالوضوء من القهقهة في الصلاة ولا يرى فيها الوضوء في غير الصلاة، لكان أولى به“ .

”ایسا اعتراض کرنے والا اگر خود قہقہے کی وجہ سے نماز میں وضوء ٹوٹے اور خارج نماز میں وضوء نہ ٹوٹے کو غلط

قرار دیتا تو بہتر تھا۔“ (المحلى لابن حزم: ۲۴۲/۱-۲۴۳)

امام ابن حبان حدیث براء پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

ذكر الخبر الدال على أن الأمر بالوضوء من أكل لحوم الابل، إنما هو الوضوء المفروض للصلاة دون غسل اليدين .

”اس بات پر دلالت کرنے والی حدیث کا بیان کہ اونٹ کے گوشت سے جس وضوء کا حکم دیا گیا ہے، وہ نماز کے لئے فرض کیا گیا وضوء ہے، نہ کہ دونوں ہاتھوں کو دھونا۔“ (صحیح ابن حبان: ۴۱/۱)

☆ ۲ اس موقع پر یہ لفظ وضوء دراصل سائل کے سوال کے جواب میں وارد ہوا ہے، کوئی وجہ ہی نہیں کہ یہاں یہ لفظ لغوی معنی میں ہو۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ”انه خرج جواباً لسؤال السائل عن حكم الوضوء من لحومها والصلوة في مبارکها، فلا يفهم من ذلك سوى الوضوء المراد للصلوة“ .

”یہ لفظ اونٹوں کے گوشت سے وضوء اور ان کے باڑوں میں نماز کے متعلق ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے وارد ہوا ہے، لہذا اس سے نماز والے وضوء کے علاوہ کچھ مراد نہیں لیا جاسکتا۔“

(المعنى لابن قدامة بحواله تحفة الأحوذى: ۸۴/۱)

کیا سائل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لغوی وضوء کے بارے میں سوال کیا تھا، نیز اگر صرف ہاتھ

دھونا ہی مراد ہوتا، تو اس میں پوچھنے والی کون سی بات تھی؟

☆۳ اگر یہاں وضو سے ہاتھ دھونا مراد لیں، تو پھر سوال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری اور اونٹ میں فرق کیوں کیا؟ نیز وضو اور نماز کا اکٹھا سوال اور اکٹھا جواب بھی اس تاویل کا رد نہیں کرتا؟

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اِنَّهٗ لَوْ اَرَادَ غَسَلَ الْبَيْدَ لَمَّا فَرَّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْغَنَمِ فَانَّ غَسَلَ الْبَيْدِ مِنْهَا مُسْتَحَبٌّ وَلِهَذَا قَالَ مِنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحٌ غَمَرُ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ وَمَا ذَكَرُوهُ مِنْ زِيَادَةِ الزَّهْمَةِ فَأَمْرٌ يَسِيرٌ لَا يَقْتَضِي التَّفْرِيقَ .

”اگر آپ کی مراد ہاتھ دھونا ہوتی، تو پھر آپ اونٹ اور بکری کے گوشت میں فرق نہ کرتے، کیونکہ ہاتھ دھونا تو بکری کا گوشت استعمال کرنے کے بعد بھی مستحب ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے ہاتھ میں رات کے وقت گوشت کی بوجہ ہو اور اسے کوئی موزی چیز نقصان پہنچا دے، تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے، رہا احناف کا یہ کہنا کہ اونٹ کے گوشت میں تعفن زیادہ ہوتا ہے، تو یہ ایسا معاملہ نہیں جو فرق کا سبب بن جائے۔ (المغنی لابن قدامہ بحوالہ تحفة الأحوذی: ۸۴/۱)

امام ابن حبان فرماتے ہیں: فِي سَوَالِ السَّائِلِ عَنِ الْوُضُوءِ مِنْ لَحُومِ الْاِبِلِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فِي اَعْطَانِهَا ، وَتَفْرِيقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجَوَابِينَ ، اَرَى الْبَيَانَ اَنَّهُ اَرَادَ الْوُضُوءَ الْمَفْرُوضَ لِلصَّلَاةِ ، دُونَ غَسْلِ الْبَيْدِينَ ، وَلَوْ كَانَ ذَالِكَ غَسْلَ الْبَيْدِينَ مِنَ الْغَمْرِ لَا سَتَوَى فِيهِ لَحُومَ الْاِبِلِ وَالْغَنَمِ جَمِيعًا .

”سائل کا اونٹ کے گوشت سے وضو کرنے اور ان کے پاڑوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دونوں سوالوں کا الگ الگ جواب، واضح دلیل ہے کہ آپ کی مراد نماز والا وضو ہے نہ کہ صرف دونوں ہاتھوں لینا، اگر یہاں مراد ہاتھوں کو گوشت کی بدبو کے سبب سے دھونا ہوتا، تو اس میں اونٹ اور بکری کا گوشت برابر ہوتا۔“ (صحیح ابن حبان: ۴۱۷/۱)

کچھ آثار جو اس بارے آئے ہیں، اس کا تجزیہ حسب ذیل ہے:

یحییٰ بن قیس کہتے ہیں: رَأَيْتُ ابْنَ عَمْرٍو أَكَلَ لَحْمًا جَزُورًا وَشَرِبَ لَبَنَ اِبِلٍ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .  
”میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، آپ نے اونٹ کا گوشت کھایا اور دودھ پیا، پھر نماز پڑھی،

لیکن وضو نہیں کیا۔“ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶۱/۱)

## تبصرہ :

اس کی سند ”ضعیف“ ہے، یحییٰ بن قیس الطائفی کی ابنِ حبان کے علاوہ کسی نے توثیق نہیں کی، لہذا یہ ”مجہول الحال“ ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے اونٹ کا گوشت کھایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی، لیکن وضو نہیں کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶/۱)

## تبصرہ :

اس اثر کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

☆۱ اس میں جابر جعفی ”ضعیف، رافضی“ ہے۔ (التقریب: ۸۷۸)

☆۲ سفیان ”مُدلس“ ہیں۔

☆۳ ابوسبرہ النخعی ”مقبول“ (مجہول الحال) ہے۔ (التقریب: ۸۱۴)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ نے اونٹ کا گوشت کھا کر نماز

پڑھی، لیکن وضو نہیں کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶/۱)

## تبصرہ :

یہ اثر بھی سخت ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس میں:

☆۱ جابر الجعفی ”ضعیف، رافضی“ ہے۔ (التقریب: ۸۷۸)

☆۲ شریک القاضی ”مُدلس“ ہیں اور ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔

## فائدہ :

نفاع بن مسلم کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ تابعی نے اونٹ کا گوشت کھایا، پھر نماز پڑھی، لیکن وضو نہیں کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶/۱، وسندہ صحیح)

## تبصرہ :

یہ نہ قرآن ہے نہ حدیث نہ قولِ صحابی، بلکہ ایک مسلمان کا اجتہاد ہے، جو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہے۔

امام ابراہیم خیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اونٹ، گائے اور بکری کا گوشت کھانے پر وضو نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۶/۱)



## تبصرہ :

یہ نہ قرآن ہے نہ حدیث نہ قول صحابی نہ قول ابی حنیفہ، جو صحیح احادیث، عمل صحابہ اور جمہور ائمہ محدثین کی تصریحات کے متضاد ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ احادیث رسول میں واضح طور پر اونٹ کا گوشت استعمال کرنے سے وضو کا حکم دیا گیا ہے، صحابہ کرام اس کی تصریح کر رہے ہیں، محدثین کرام بباغِ دہل اس کا اعلان کر رہے ہیں اور مخالفین کا بھرپور رد فرما رہے ہیں، اس کے خلاف کوئی دلیل بھی نہیں، لیکن اس کے باوجود مقلدین اس کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں اور احادیث رسول میں طرح طرح کی تاویلات باطلہ کرنے پر اتر آئے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہ تھی، تو تقلید کا پٹا اتار کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیتے، لیکن ماننے کے بجائے انہوں نے اپنے مقلد ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

قارئین! انصاف کریں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟؟؟

## سالانہ عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس

بہ مقام: مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بلکسر، ضلع چکوال۔

بتاریخ: ۲۲ مارچ، بروز اتوار، بعد از نماز مغرب، ان شاء اللہ!

## مقررین

عبدالعظیم یزدانی آف جھنگ

زبیر احمد ظہیر لاہور

سیف اللہ خالد ملتان

ناظم کانفرنس: ڈاکٹر عبدالقدیر بلکسر، ضلع چکوال

## نوٹ :

اس خالص دعوتی اور اصلاحی پروگرام میں آپ کو مع رفقاء شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، شرکت فرما کر مسلکی غیرت اور دینی حمیت کا بھرپور مظاہرہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

**منجانب:** حافظ محمد زکریا شاہد اعوان، خطیب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث بلکسر، چکوال

## قارئین کے سوالات غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال ① : حدیث اصحابی کالنجوم ، بایہم اقتدیتم اہتدیتم بلحاظ سند کیسی ہے؟  
جواب : اصحابی کالنجوم ، بایہم اقتدیتم اہتدیتم ”میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ، ہدایت پا جاؤ گے۔“  
یہ حدیث سخت ترین ”ضعیف“ ہے ، اس کی ساری کی ساری سندیں ”ضعیف“ ہیں۔  
☆ ۱ حدیث جابر :

(المؤتلف للدارقطنی : ۱۷۷۸/۴ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر : ۱۷۶۰)

### تبصرہ :

اس کی سند ”ضعیف و ساقط“ ہے ، کیونکہ:  
(۱) اس میں اعش بن سلیمان ”مدلس“ ہیں ، جو کہ ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں ، نیز اعش کا ابو سفیان سے سماع بھی نہیں ہے۔  
(۲) اس کا راوی سلام بن سلیمان المدائنی ”ضعیف“ ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر : ۲۷۰۴)  
(۳) امام عبدالبر نے اس کے راوی الحارث بن غصین کو ”مجہول“ کہا ہے۔

دوسری سند : (غرائب مالک للدارقطنی ، عن جمیل بن زید عن مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں : وجمیل لا یعرف ، ولا اصل له فی حدیث مالک ولا من فوقه .  
”جمیل مجہول ہے ، اس حدیث کی مالک اور اس سے اوپر والے راویوں سے کوئی حقیقت نہیں۔“

(التلخیص الحبیبر : ۱۹۰/۴)

☆ ۲ حدیث عمر : (الکامل لابن عدی : ۱۰۵۷/۳ المدخل للبیہقی : ۱۵۱ الکفاۃ للخطیب : ۹۵-۹۶)

### تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے ، کیونکہ:  
(۱) اس میں عبدالرحیم بن زید العیمری راوی ”متروک“ ہے ، اس کو امام یحییٰ بن معین نے ”کذاب“ قرار

دیا ہے۔ (التقریب : ۴۰۵۵)

(ب) اس کا باپ زید اعلیٰ جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، اس کے بارے میں حافظ بیہمی فرماتے ہیں:  
ضعفہ الجمہور . ”جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۱۱۷)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ضعیف عند الجمہور . ”جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔“ (نتائج الافکار: ۲۵۳)

### ☆۳ حدیث ابن عمر:

مثل أصحابی مثل النجوم ، یهتدی بها ، فبأیہم أخذتم بقوله اهتديتم . (مسند عبد بن حمید: ۷۸۳)

### تبصرہ:

اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، اس کا راوی حمزہ بن ابی حمزہ الجزری ”متروک، متم بالوضع“ ہے۔

(التقریب: ۱۵۱۹)

### ☆۴ حدیث ابی ہریرہ:

مثل أصحابی مثل النجوم ، من اقتدی ..... اهتدی . (مسند القضاعی: ۱۳۴۶)

### تبصرہ:

☆۱ اس کی سند میں جعفر بن عبد الواحد الباشی راوی ”کذاب“ ہے۔ (التلخیص الحبیبر: ۱۹۷/۴)

حافظ ذہبی کہتے ہیں: هذا الحديث من بلایا جعفر بن عبد الواحد . ”یہ حدیث جعفر بن

عبد الواحد کی مصیبتوں میں سے ہے۔“ (میزان الاعتدال: ۱/ ۴۱۳)

☆۲ اس میں اعمش کی ”تدلیس“ بھی ہے۔

### ☆۵ حدیث ابن عباس:

ان أصحابی بمنزلة النجوم فی السماء ، فأیہا أخذتم به اهتديتم ، واختلاف أصحابی لكم رحمة . ”میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں، جس کا دامن پکڑ لو گے، ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعثِ رحمت ہے۔“ (المدخل للبیہقی: ۱۵۲، الکفاية للخطیب، ص: ۹۵)

### تبصرہ:

اس کی سند سخت ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

☆۱ اس کے راوی سلیمان بن ابی کریمہ کو جمہور نے ”ضعیف“ کہا ہے،

**نوٹ:** السنة لأبی ذر الہروی میں مندل بن علی العنزی (ضعیف عند الجمہور) نے اس کی متابعت کر

رکھی۔ (التلخیص: ۱۹۷/۴)

☆۲ اس کا راوی جو بیر بن سعید الازدی سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔

☆۳ الضحاک بن مزاحم نے عبد اللہ بن عباس سے سماع نہیں کیا۔ (اتحاف المہرۃ لابن حجر: ۲۴۸/۷)

## ☆۶ حدیثِ جواب بن عبید اللہ :

انّ مثل أصحابی کمثل النجوم هلہنا وھلہنا ، من أخذ بنجم منها اھتدای أو بأی قول أصحابی

أخذتم فقد اھتدیتم . (المدخل للبیہقی: ۱۵۳)

## تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس میں وہی جو بیر راوی ہے، جس کو امام نسائی (الکامل لابن عدی:

۱۳۷/۲) اور امام دارقطنی (الضعفاء والمتروکیں: ۱۴۷) وغیرہ نے ”متروک“ قرار دیا ہے۔

اس کے بارے میں حافظ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھذا حدیث متنہ مشہور وأسانیده ضعیفۃ ، لم یثبت فی ھذا اسناداً .

حافظ ابن حجر اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں: ھذا مرسلٌ أو معضلٌ . (تخریج احادیث المختصرة: ۱۴۶/۱)

## ☆۷ حدیثِ انس :

مثل أصحابی مثل النجوم یھتدای بہا ، فاذا غابت تحیروا . (مسند بن ابی عمر (المطالب لابن حجر: ۴۱۵۶)

## تبصرہ :

اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

☆۱ اس میں زید العمی راوی ہے، جس کا حال بیان ہو چکا ہے۔

☆۲ یزید الرقاشی راوی ”ضعیف“ ہے۔ (التقریب: ۷۶۸۳) اس کو امام نسائی اور امام حاکم نے

”متروک“ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۱۱/ ۲۷۰/)

حافظ بیہقی کہتے ہیں: ضَعْفُہُ الْجُمْہُور . ”جمہور نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱/ ۱۰۵)

☆۳ اس میں سلام بن سلیم الطویل ”متروک“ ہے۔ (التقریب: ۲۷۰۲)

حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (المطالب العالیۃ لابن حجر: ۱۴۶/۴)

**الحاصل :** یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔

## فائدہ :

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا اور آپ بکثرت آسمان کی طرف سر مبارک اٹھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

النَّجُومُ أَمْنَةٌ لِلسَّمَاءِ ، فَإِذَا ذَهَبَ النَّجُومُ أَتَى السَّمَاءُ مَا تَوَعَّد ، وَأَنَا أَمْنَةٌ لِأَصْحَابِي ، فَإِذَا ذَهَبَ أَنَا أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ ، وَأَصْحَابِي أَمْنَةٌ لِأُمَّتِي ، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ .

”ستارے آسمان کی حفاظت کا سامان ہیں، جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ (آفت) آ جائے گی، جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے، میں اپنے صحابہ کے لیے حفاظت کا سامان ہوں، جب میں (دنیا سے) چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ (فتنے) آئیں گے، جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، میرے صحابہ میری امت کے لیے حفاظت کا سامان ہیں، جب میرے صحابہ (دنیا سے) چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ (فتنے) آجائیں گے، جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۳۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ حافظ بیہقی رحمہ اللہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو يؤدى صحة التشبيه للصحابه بالنجوم خاصة ، أما في الاقتداء ، فلا يظهر من حديث أبي موسى .

”یہ حدیث صحابہ کو ستاروں سے صرف تشبیہ دینے کو صحیح قرار دیتی ہے، رہا (کسی ایک صحابی کی) اقتدا کا معاملہ، تو وہ ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔“ (تلخیص المستدرک: ۱۹۷/۴)

سوال ③ : رنگ دار اور پھول دار قالین پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: رنگ دار اور پھول دار قالین پر نماز پڑھنا درست اور صحیح ہے، اس پر دلیل یہ ہے:

قال الامام ابن أبي عاصم في كتاب اللباس : حدثنا أبو يحيى محمد بن عبد الرحيم : حدثنا روح بن عباد : حدثنا شعبة عن الشيباني عن عبد الله بن شذاد عن ميمونة ، قالت : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على الخمرة ، وفيها تصاویر .

”سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی پتیوں سے بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے، اس پر (بے جان چیزوں کی) تصویریں تھیں۔“ (سیر أعلام النبلاء للذهبی: ۴۰۷۸، وسندہ صحیح)

## تنبیہ نمبر ۱:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم : أميطي عنا قرامك هذا ، فإنه لا تزال تصاويره تعرض لي في صلاتي .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک زیبائشی چادر (برائے پردہ) تھی، جو انہوں نے اپنے گھر کے ایک طرف لٹکا رکھی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی زیبائشی چادر کو ہمارے سامنے سے ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میرے سامنے (آکر) نماز میں خلل اندازی اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔“

(صحیح بخاری: ۳۷۴)

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

ودل الحديث على أن الصلاة لا تفسد بذلك لأنه صلى الله عليه وسلم لم يقطعها ولم يعدها . ”یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اس طرح (ایسے کپڑے پر جس پر نقش وغیرہ بنے ہوں، کو سامنے لٹکا کر یا اس پر نماز پڑھنے سے) نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نماز ختم کی ہے، نہ ہی اس کو دوبارہ پڑھا ہے۔“ (فتح الباری: ۱/ ۴۸۴)

صحیح مسلم (۵۵۶) میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نقش دار چادر تھی، (جو آپ کو ابو جہم صحابی نے تحفہ میں دی تھی) فكان يتشاغل بها في الصلاة جس کی وجہ سے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، آپ نے وہ چادر ابو جہم کو واپس دے دی اور اس سے بغیر نقوش کے اونی چادر لے لی۔

صحیح بخاری (۳۷۳) اور صحیح مسلم (۵۵۶) کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

فأنها ألهنتني عن صلاتي . ”اس (نقش دار چادر) نے مجھے میری نماز سے غافل اور مشغول کر دیا۔“

ایک روایت میں ہے: فأنني نظرت الى علمها في الصلاة ، فكاد يفتنني .

”میں نے نماز میں اس چادر کی دھاریوں کی طرف دیکھا، قریب تھا کہ یہ مجھے فتنے میں مبتلا کر دیتیں۔“

(مؤطا امام مالک: ۶۸، وسند حسن)

امام علقمہ مرجانہ ”صدوقہ حسنة الحديث“ ہیں، امام عجل اور امام ابن حبان وغیرہ نے ان کو ”ثقة“ کہا ہے۔

ثابت ہوا کہ ہر وہ نقش دار چیز جو نماز میں غفلت کا باعث بنے، توجہ میں خلل انداز ہو، اس پر نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے، بصورت دیگر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

## تنبیہ نمبر ۲:

سفینہ سے روایت ہے کہ ایک شخص سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں مہمان ٹھہرا، آپ نے اس کے لیے کھانا تیار کیا، سیدہ فاطمہ نے کہا، اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دعوت دیتے اور آپ ہمارے ساتھ کھانا تناول فرماتے تو بہتر تھا، انہوں نے آپ کو دعوت دی، آپ تشریف لائے، آپ نے دروازے کی چوکھٹ کی دو طرفوں پر ہاتھ مبارک رکھا تو دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں زیبائشی پردے آویزاں کیے گئے ہیں، آپ واپس لوٹ گئے، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا، دیکھیں کہ کس چیز نے آپ کو واپس لوٹا دیا (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں، میں آپ کے پیچھے گیا، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کس چیز نے آپ کو واپس لوٹا دیا، آپ نے فرمایا:

انہ لیس لی أو لنبی أن یدخل بیتاً مزوقاً .

”میرے لیے یا کسی نبی کے لیے یہ زیبائشی پردے ایسے گھر میں داخل ہو، جس میں زیبائشی پردے ہوں۔“

(مسند الامام أحمد: ۵/ ۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲ ۵۰۲۲۲/ سنن أبی داؤد: ۳۷۵۵، سنن ابن ماجہ: ۳۳۶۰، مسند اسحاق:

۲۱۱۲، شعب الایمان للبیہقی: ۲۴۸، وسندہ صحیح)

امام ابن حبان (۶۳۵۴) نے اس حدیث کو ”صحیح“ اور امام حاکم (۱۸۲/۲) نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے گھر میں زیبائشی پردے لگانا خلاف اولیٰ ہے، اجتناب بہتر ہے، واضح رہے کہ جس پردے پر جاندار کی تصویر ہو، وہ گھر میں لگانا ناجائز ہے۔

## تنبیہ نمبر ۳:

شرع بن ہانی نے سیدہ عائشہ سے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز پڑھتے تھے؟ میں نے اللہ کی کتاب میں سنا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸)

”جہنم کافروں کے لیے جیل خانہ ہے۔“ اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے چٹائی پر نماز نہیں پڑھی۔ (مسند أبی یعلیٰ الموصلی: ۴۴۴۸، المقصد العلی: ۳۴۲، مصنف ابن أبی شیبہ:

(المطالب العالیۃ: ۳۴۵/۱) وسندہ حسن)

حافظ بیٹھی فرماتے ہیں: رجاله موقوفون. ”اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۵۷/۲)

عدم روایت و علم عدم وجود و ثبوت کو تسلیم نہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی معلومات کا اظہار فرمایا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چٹائی پر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ (صحیح مسلم)